دار العلوم حقانیہ
اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ
الحق
ماہنامہ
مدیر مسئول
مولانا سمیع الحق
بنیاد
شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ
بانی دارالعلوم حقانیہ

اے بی سی آڈٹ بیورو آف سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

جلد ۲۲
شمارہ ۴-۵
جنوری، فروری ۱۹۹۰ء
رمضان، شوال ۱۴۱۰ھ

ماهنامه الحق اکوڑہ خٹک

بیاد
حضرۃ مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مدیر : عبدالقیوم حقانی

مدیر اعلیٰ
حضرۃ مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی
ناظم ۔ شفیق فاروقی

ایگزیکٹو ایڈیٹر
حافظ راشد الحق سمیع

فون : ۴۰۳۳۰ - ۰۵۲۲۱

اس شمارے کے مضامین

نوٹ:- یہ شمارہ دو شماروں پر مشتمل ہے

پاکستان میں سالانہ ۱۵۰/- روپے فی پرچہ ۱۵/- روپے بیرون ملک بحری ڈاک ۶/- پونڈ بیرون ملک ہوائی ڈاک ۱۲/- پونڈ
سمیع الحق استاد دار العلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ الحق دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

قل یا ایها الناس قد جاءکم الحق

نقش آغاز

نئی حکومت کا قیام ،توقعات اور خدشات

ملک میں نگرانوں کی زیر نگرانی بے یقینی کی فضا میں بالآخر پراسرار نتائج کے حامل انتخابات منعقد ہوتے گئے اور سیاسی افق پر پھر پرانے چہرے نمودار ہوگئے اور احتساب کے بلند بانگ دعوے کرنے والے نگران اپنے اس مشن میں برملا اپنی ناکامی کا اعتراف کرتے ہوئے رخصت ہوگئے۔ملک کی حالت وہی کی وہی رہی۔ایک دفعہ پھر عنانِ حکومت پاکستان کی تخلیق کی دعوے دار جماعت مسلم لیگ کے ہاتھوں میں تھما دی گئی اب ملک وملت اس بات کی منتظر ہے کہ قوم سے بلند بانگ دعوے کرنے والے کب ان وعدوں کو عملی جامہ پہناتے ہیں اور کب ملک وقوم کی تقدیر بدلتی ہے۔

پچاس سال پہلے بھی قوم سے اسی وعدے کی بنیاد پر بے پناہ قربانیاں لے کر یہ ملک حاصل کیا گیا تھا۔ان وعدوں پر پچاس سال کا عرصہ بیت چکا ہے ۔ایک پوری نسل اپنے دلوں میں یہی ارمان لے کر قبروں میں جا چکی ہے۔ اس سال گولڈن جوبلی کی تقریبات منانے کی تیاریاں ہورہی ہیں۔قرعہ فال حکومت اب پھر مسلم لیگ کے حق میں نکلا ہے اب ان شکستہ وعدوں کے کھنڈرات پر میاں صاحب نئے وعدوں کے محلات تعمیر کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔اس بدقسمت ملک کے حکمرانوں کی خوش قسمتی یہ ہے کہ ان کو ایسی بھلکڑ اور سادگی کی انتہا پر پہنچی ہوئی قوم میسر ہے۔جو ان

کی ہر بات کا اعتبار کرلیتی ہے اور بہت جلد ان کے پرانے کرتوت بھول جاتی ہے ہیں۔

میر کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب اسی عطار کے لڑکے سے دوا لیتے ہیں

بار بار پرانے چہرے نئے نئے نقاب اوڑھ کر آتے رہے۔اور اس بد قسمت ملک کوبری طرح لوٹتے رہے۔ماضی قریب کی نسوانی ،غیر شرعی حکومت کا حال ہمارے سامنے رہا ہے۔اور پھر انتخابات میں پیپلز پارٹی کا تابوت گڑھی خدا بخش میں اس کے بانی کے پہلو میں دفن کیا جاچکا ہے۔پاکستان مسلم لیگ اور پیپلز پارٹی دونوں کو ایک طرح کے الزامات کے تحت برطرف کیا گیا۔معلوم نہیں تقدس اور تطہر کے کن حماموں میں نہادھو کر کے یہ لوگ دوبارہ مسند اقتدار پر براجمان ہوجاتے ہیں۔ملک وملت کو ان دونوں جماعتوں کی حقیقت وماہیت اچھی طرح معلوم ہوچکی ہے اس بار میاں صاحب نے "توبہ تائب اور ہدایت یافتہ" بن کر اسلامی پاکستان میں جو پہلا غیر اسلامی اقدام کیا ہے۔ اس نے ہر پاکستانی کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے۔ کہ مستقبل میں مسلم لیگ کے نظام خلافت راشدہ کی شکل کیا ہوگی ؟

جمعتہ المبارک کی چھٹی منظور کرانے کیلئے علماء کرام کو کتنے پاپڑ بیلنے پڑے تھے۔تب کہیں جاکر یہ قدم اٹھایا گیا تھا۔اور میاں صاحب نے بیک قلم اسے منسوخ کردیا ۔جمعتہ المبارک کی اہمیت و حیثیت مسلم ہے۔اور شعائر اسلام میں سے ہے۔اس کو چند ٹکوں کی نفع کے عوض قربان کردینا کوئی بھی مسلمان برداشت نہیں کرسکتا۔ہفتہ کے دن تمام یہودی چھٹی کرتے ہیں ۔اتوار کےدن تمام عیسائی دنیا کی تعطیل کا دن ہوتا ہے کیونکہ یہ ان کے مذہبی شعائر ہیں۔عالم اسلام بالعموم اور عرب بالخصوص اس دن چھٹی کرتے ہیں۔پاکستان جس کو اسلام کا قلعہ سمجھا جاتا ہے۔اس میں اس دن چھٹی کی منسوخی انتہائی افسوسناک اقدام ہے۔موجودہ حکومت دو تہائی اکثریت کے گھمنڈ اور چند معاشی اقدامات کرنے کے بعد یہ نہ سمجھے کہ وہ اب جو چاہیں مملکت اسلامیہ پاکستان میں کرسکیں گے۔دو تہائی اکثریت کے باوجود پہلے بھی وہ عزیمت اور ناکامی کا تلخ گھونٹ پی چکی ہے۔پچھلی دفعہ شریعت بل کے ساتھ مذاق کرنے اور سودی نظام کے تحفظ کی پاداش میں گرفت میں آچکی ہے ۔ اب دوبارہ اس طرح کے اقدامات کا

سلسلہ شروع کر دینا کیا معنی رکھتا ہے۔؟

موجودہ حکومت کا دوسرا بڑا انتہائی خطرناک اور افسوسناک اقدام "افغانستان کے متعلق خارجہ پالیسی میں تبدیلی کا عندیہ دینا ہے۔ہم دو ٹوک الفاظ میں واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ ایسا کوئی بھی اقدام پاکستان کے حق میں نہیں ہوگا۔سولہ سال کی خونریز لڑائی کے بعد جبکہ افغانستان میں امن قائم ہوا ہے۔ اور اس بدقسمت ملک نے کچھ سکون کا سانس لیا ہے۔ اور دنیا کے نقشہ پر پہلی دفعہ خلافت راشدہ کا قیام حقیقی معنوں میں عمل میں آیا ہے۔"امریکہ اور مغربی آقاؤں کو خوش کرنے کیلئے"جو کہ روز اول سے طالبان کی اسلامی حکومت کے بدترین مخالف ہیں اور ہر قیمت پر اس تحریک کو کچلنے کے درپے ہیں "حکومت پاکستان کا کوئی بھی اقدام جو طالبان کی مشکلات میں اضافہ کا سبب بنے برداشت نہیں کیا جائے گا۔

مولانا ضیاء الرحمن فاروقی کی المناک شہادت

ملک میں فرقہ واریت کی عفریت نے جب سے دوبارہ سر اٹھایا ہے ،کئی قیمتی جانوں کا ضیاع ہو چکا ہے۔مولانا ضیاء الرحمن فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کی المناک شہادت سے ہر دل افسردہ اور ہر آنکھ پرنم ہے۔ ماضی کی طرح حکومت بہت جلد مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کا روایتی بیان دے کر خود کو فارغ قرار دے چکی ہے۔لیکن عملی طور پر کچھ بھی نہیں کر پائی ہے۔

جب سے ملی یک جہتی کونسل کی فعالیت سست پڑی ہے فقہ واریت کی آگ میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔آج اس بات کی ضرورت ہر پاکستانی محسوس کر رہا ہے کہ اس متحدہ پلیٹ فارم کو نہ صرف برقرار رہنا چاہئیے بلکہ بھرپور طریقے سے اپنا رول ادا کرنا چاہئیے۔تاکہ فرقہ واریت کے جن کو بوتل میں بند کیا جاسکے۔

مرحوم کی المناک شہادت سے جہاں علمی حلقوں میں ایک خلا پیدا ہوا ہے وہاں ایک بے مثال خطیب اور تاریخ دان سے یہ ملک محروم ہوگیا ہے۔مرحوم نے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی اور انکے ناموس کی حفاظت کو اپنی زندگی کا مشن بنا رکھا تھا۔ دارالعلوم میں ان کی شہادت کی خبر ملتے ہی فاتحہ خوانی کا اہتمام کیا گیا۔ دارالعلوم حقانیہ کے تمام اساتذہ کرام اور طلبہ آپ کے لواحقین کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ آپ کے پسماندگان کو صبر جمیل اور مرحوم کو جنت الفردوس میں مقام عالی سے بہرہ ور فرمادے آمین

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

راشد الحق سمیع

استشراق اور اس کے محرکات و مکاتب فکر

از جناب سید علیم اشرف جائسی ۔لیبیا۔

استشراق مشرق کے خلاف عموماً اور عالم اسلام کے خلاف خصوصاً مغربی سازشوں کے مثلث کا ایک زاویہ ہے۔ مکر و فریب کے اس مغربی تکون کے دوسرے دو زاویے تبشیر اور استعمار ہیں۔ لیکن استشراق اپنے طویل اور دوررس اثرات کی بنا پر اس مثلث کا سب سے خطرناک زاویہ ہے۔

اگرچہ مستشرقین اور ان کے مشرقی ہمنوا جو مستغربین بھی کہلاتے ہیں کا اصرار ہے کہ استشراق ایک خالص علمی تحریک ہے اور دنیائے مشرق پر اس کے گراں قدر احسانات ہیں، مگر مستشرقین کا یہ دعویٰ خلاف واقعہ اور تاریخی حقائق کی نفی کرتا ہے،ان کے جو مشرقی ہمنوا ان کی لے میں لے ملاتے ہیں،وہ اس بنا پر کہ مغربی تہذیب نے ان کی نگاہوں کو خیرہ کر دیا ہے۔

استشراق کے ظہور اور نشوو ارتقاء میں علمی محرک کا اعتراف ہم کو بھی ہے۔ مگر اس کی حیثیت ثانوی درجے کی ہے، یہاں استشراق کے اہم محرکات کا ایک جائزہ لینا ناموزوں نہ ہو گا۔ کیونکہ ان کی معرفت استشراق کے مطالعے اور اس کے مقاصد کے تعین میں مدد و معاون ہو گی۔اہم محرکات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ دینی محرک۔

یہ استشراق کے ظہور وارتقا کا سب سے قوی محرک ہے،جس کی تصدیق متعدد تاریخی شواہد سے ہوتی ہے۔

الف۔۔۔۔اس پر مفکرین و محققین کا اتفاق ہے کہ استشراق کا آغاز کلیساؤں سے ہوا۔

ب۔۔۔۔ کاروان استشراق کے اولین مسافروں کا تعلق براہ راست کلیساؤں سے تھا۔ جیسے فرانسیسی راہب جربرٹ جو ۹۹۹ء میں ویٹکن کا سربراہ بنا، سلفسٹر دوئم، بطرس محترم ۱۱۵۶ء جیرارڈ کریمونی ۱۱۸۹ء ریکولڈو ۱۳۲۰ء اور یوحنا اشقوبی ۱۴۵۶ء وغیرہ

ج۔۔۔۔۔۔ مشرقی علوم سے متعلق مغرب کے بیشتر علمی وثقافتی ادارے پادریوں اور راہبوں کی کاوش کا نتیجہ ہیں۔ جیسے "مشرقی زبانوں کی تعلیم کا ادارہ" جسے بابا ہونودیوس چہارم نے ۱۲۸۵ء میں فرانس میں قائم کیا۔ "سوربون یونیورسٹی" جسے مشہور فرانسیسی پادری رویرڈی سور بو نے قائم کیا اور اس کی تجدید بھی ایک پادری رشیکیو کے ہاتھوں ۱۶۲۶ء میں ہوئی اسپین کا "دفتر مترجمین" جسے طلیطلہ کے اسقف اعظم ریمونڈاول نے ۱۱۳۰ء میں قائم کیا، روم کا "مارونی کالج" جس کا قیام بابا گریگوریس کی کوشش سے ۱۵۸۴ء میں عمل آیا اور اٹلی ہی کے ایک شہر فلورنسا کا "مدرسہ برائے مشرقی زبان" جس کی بناء ۱۹۲۲ء میں کارڈینال ڈ۔میڈیچی نے ڈالی۔ ایسے ہی اور بہت سے ادارے، مدرسے، کتب خانے مطابع اور جامعات جو پادریوں اور راہبوں کی کوششوں کے مرہون منت ہیں۔

د۔۔۔۔۔۔ استشراق کا قدیم ادب ولٹریچر بھی اس محرک کے وجود کی ایک بہترین دلیل ہے جس کا سرسری مطالعہ اس دعوی کو یقین میں تبدیل کرنے کے لیے کافی ہے۔

ھ۔۔۔۔۔۔۔ مستشرقین اور مبشرین کے درمیان گہرے روابط اور افادہ واستفادہ پر مبنی تعلقات بھی استشراق کے دینی محرک کی غمازی کرتے ہیں۔

و۔۔۔۔۔۔۔ خود بعض مستشرقین نے دینی محرک کے وجود کا اعتراف کیا ہے۔

۲۔استعماری محرک۔۔

- یہ محرک دو عصروں میں منقسم ہے۔ ۱۔ عملی استعمار سے پہلے کا عصر جسے ہم استعمار کی فکری اور عسکری تیاریوں کا عصر کہہ سکتے ہیں اور ۲۔ عملی استعمار کا عصر ان دونوں عصروں میں استشراق کے اس محرک کی موجودگی کے وافر ثبوت اور دلائل پائے جاتے ہیں۔ مثلاً۔۔

الف۔ عملی استعمار سے قبل مستشرقین نے مشرقی ملکوں کے جو علمی سفر کیے ان کے نتائج کو استعماری مقاصد کے لیے استعمال کیا گیا بلکہ بعض کا سفر تو استعماری قوتوں کے اشاروں پر ہی ہوا۔ جس کی بہترین مثال کتاب "ہیمفرے کے اعترافات" ہے۔ ایسے ہی ۱۷۹۸ء میں نپولین کے مصر پر حملے کا محرک بھی فرانسیسی مستشرق کانٹ ڈی دولنی کا مصر کا سفر نامہ تھا۔

ب۔ استعماری طرز ورنگ اور خوبو والا استشراقی ادب۔

ج۔ بعض مستشرقین کا یہ اعتراف کہ انہوں نے اور ان کے بہت سے ساتھیوں نے استعماری طاقتوں کے لیے کام کیا۔ جیسے مشہور مستشرق مارٹینی نے ایک انٹرویو میں اعتراف کیا کہ "عملی استعمار کے عصر میں بیشتر مستشرقین اس کے ساتھ مکمل طور پر وابستہ تھے۔" (رسالہ "الموقف الادبی" عدد ۱۲۲، ۱۹۸۱ء)

د۔ کئی مستشرقین نے استعماری فوجوں کے اعلی مناصب پر کام کیا۔ جیسے واٹسن اور ریچر وغیرہ۔

ھ۔ مغربی نو آباد کاروں نے مشرقی اقوام کے سلسلے میں اپنی حکمت عملی طے کرنے کے لیے استشراقی آداب اور مطالعات و تحقیقات کا سہارا لیا۔ جیسے برطانوی استعمار کی مشہور پالیسی "لڑاؤ اور

حکومت کرو" دراصل استشراق کے فرقہ وارانہ مطالعات سے ماخوذ ہے۔

د۔ نو آباد کاروں نے استشراق کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی کی کیونکہ انہیں اپنی نو آبادیوں کے دینی، سماجی، سیاسی اور اقتصادی حالات کو سمجھنے کے لیے اس کی ضرورت تھی جس کے بغیر نہ تو نوآبادیوں پر گرفت رکھی جاسکتی تھی اور نہ ہی ان کے حدود میں توسیع ممکن تھی۔اس سلسلے میں ولیم میور، کرومر، اپرنگر، گلگٹ، واٹسن اور لارنس وغیرہ سینکڑوں مستشرقین کے نام پیش کیے جاسکتے ہیں۔ جنہوں نے مختلف شعبوں میں استعمار کے لیے کارہائے نمایاں انجام دیے۔

۳۔ نفسیاتی محرک۔

اس محرک کا تعلق انسان کے فطری تقاضوں سے ہے۔ ہر انسان میں خواہ وہ کہیں کا رہنے والا ہو یہ جذبہ موجود ہوتا ہے۔اس محرک کے مختلف مظاہر ہیں۔

ا۔ سفر و سیاحت کی خواہش

ب۔ دوسری قوموں کے احوال جاننے میں رغبت

ج۔ مادی فوائد کے حصول کا جذبہ۔

د۔ اپنے معتقدات اور نظریات میں دوسروں کو شریک کرنے کی آرزو۔

۴۔اقتصادی محرک۔

لبنانی نژاداور معاصر امریکی مفکر "ایڈورڈ سیڈ" جو بین الاقوامی شہرت کے انگریزی ادیب و ناقد اور ماہر استشراقیات ہیں کی رائے ہے کہ استشراق کے ابتدائی دور میں دینی محرک کی جو حیثیت تھی وہی حیثیت آخری دور میں اقتصادی محرک کو حاصل ہو گئی باقی دوسرے محرکات ضمنی حیثیت کے تھے۔

ایڈورڈ سیڈ کی رائے سے اس حد تک تو ہمیں اتفاق ہے کہ استشراق کے محرکات میں اقتصادی محرک بھی ہے لیکن دوسرے محرکات کو ضمنی قرار دینے کی بات محل نظر ہے۔

۵۔سیاسی محرک۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد بعض سیاسی اور سماجی حالات کی بنا پر مغرب کے لیے اپنی نو آبادیات کو باقی رکھنا ممکن نہیں رہا۔ یا پھر ذرائع ابلاغ اور وسائل نقل و حمل کی ترقی نے براہ راست استعمار کو غیر ضروری بنا دیا۔ جب ایشیاء اور افریقہ کے بہت سے ملکوں کی "آزادی" کے بعد مغربی ملکوں سے ان کے سفارتی تعلقات قائم ہوئے تو مغرب نے ان ملکوں میں قائم اپنے سفارت خانوں، کونسلز اور سیاسی اداروں کو مستشرقین کے حوالے کر دیا۔ جنہوں نے اس ذمہ داری کو بحسن وخوبی انجام دیا جو مغربی ملکوں نے انہیں سپرد کی تھی۔ چنانچہ نصف صدی بعد بھی مشرق میں موجود سیاسی عدم استقرار، خوں ریزی، دہشت گردی، فرقہ واریت اور جاسوسی و تخریب کاری کے بیشتر واقعات میں براہ راست یا بالواسطہ یہ مغربی سفارت خانے ملوث ہوتے ہیں اور بعض ملکوں میں تو یہ سفارت خانے اس قدر طاقتور اور بااختیار

ہیں کہ وہ ہمیں نو آبادیاتی دور کی ریزیڈنسیوں کی یاد دلا ــ ہیں۔

۶۔ علمی محرک ۔

مستشرقین کی ایک مختصر سی جماعت نے مشرقی علوم و آثار کے مطالعہ و تحقیق کو خالص علمی بنیادوں پر اختیار کیا ہے اور انسانی علوم و معارف کی قابل ستایش خدمت کی ہے جیسے کارلائل ، تیان دہی نے ، مارشل بوزا ، رد جر گاؤڈے وغیرہ

استشراق کے مطالعہ کے لیے اس کے محرکات کی طرح اس کے مختلف مکاتب فکر اور ان کی نمایاں خدوخال اور خصوصیات کو جاننا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر استشراق کے عمق فکر تک پہنچنا اور اس کے مختلف ابعاد کا احاطہ کرنا ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔ دراصل اس کے خدوخال اور خصوصیات کے پس پشت مختلف قسم کے دینی ، تاریخی ، سماجی اور سیاسی عوامل کارفرماہیں جن کے تجزیہ کے لیے خود ایک مستقل مضمون در کار ہے۔ یہاں ہم استشراق کے اہم سکولوں اور ان کے نمایاں خدوخال کا جائزہ لیں گے۔

۱۔ برطانوی سکول۔

مشرق سے جزیرہ برطانیہ کا تعلق خاصہ قدیم ہے۔ ظہور اسلام سے قبل بھی اس تعلق کا سراغ ملتا ہے۔ لیکن مشرق کے بارے میں ہمارے علم کے مطابق پہلی برطانوی تصنیف برطانوی سیاح ویلی بالڈ کا وہ سفر نامہ ہے جو اس نے پہلی صدی ہجری میں عرب ممالک کی سیاحت کے بعد مرتب کیا تھا۔

استشراق کے برطانوی سکول کے نمایاں خدوخال مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ اس سکول کی ابتداء خالص ذاتی نوعیت کے مقاصد سے ہوئی ، جن میں سب سے اہم مقصد اندلس اور صقلیہ (سسلی) کے مسلم علماء سے عربی زبان اور فلسفہ کا حصول تھا۔ تشنگان علم اپنی پیاس بجھانے کے لیے اندلس جاتے تھے ، برطانوی حکومت بھی طلبہ کے وفود روانہ کرتی تھی۔ ان میں سے ایک وفد کی سربراہی شہزادی ڈوبان نے بھی کی تھی۔ جو پرنس آف ویلز کی لڑکی تھی۔

۲۔ تبشیری اور استعماری مقاصد نے برطانوی استشراق کو نیا جوش و خروش دیا۔

۳۔ مسلمانوں سے متعلق اس سکول کی توجہ مسلمانوں کی زبانوں اور ان سے متعلق علوم پر ہی رہی۔

۴۔ ہندوستان اور اسلامی ممالک خصوصیت سے مصر اس کا محور رہے۔

۵۔ آکسفورڈ اور کیمبرج کی یونیورسٹیوں میں اس سکول کی نشوونما ہوئی۔

۶۔ اس کے ارکان نے برطانوی وزارت خارجہ اور نو آبادیات میں فوجی اور سفارتی خدمات انجام دیں اور مشیروں کی حیثیت سے کام کیا۔ جیسے رچرڈ اور واٹسن وغیرہ۔

۷۔ گزشتہ صدی سے اس نے اسلامیات میں بھی دلچسپی لینا شروع کر دیا اور عرب ملکوں میں

پٹرول نکلنے کے بعد اس دلچسپی میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے۔

۸۔ اس کے بعض اعضاء عربی اکیڈمیوں کے ممبر رہے جیسے نیکولسن وغیرہ اور بعض نے مشرقی مدارس وجامعات میں علوم شرقیہ کی تعلیم وتدریس کے فرائض انجام دیے جیسے، اسپر نگر جس نے اسلامک کالج دہلی کے سربراہ اور فورٹ ولیم کالج کے ڈائریکٹر کی حیثیت سے کام کیا اور آرنلڈ مسلم یونیورسٹی اور لاہور کالج میں صدر شعبہ فلسفہ رہے۔

۹۔رواں صدی کے نصف آخر میں اس کے دائرہ کار میں نمایاں وسعت آئی ہے۔متعدد برطانوی ،یونیورسٹیوں میں شعبہ استشراق قائم ہوا ہے اور علوم شرقیہ سے متعلق تعلیمی اداروں، کتب خانوں اور مطابع کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا ہے۔

ب امریکی سکول۔

اس کے خدوخال بھی برطانوی سکول جیسے ہیں البتہ موجودہ صدی کے نصف آخر سے امریکی سکول کی مستقل شناخت بنتی جارہی ہے جس کے متعدد اسباب ہیں۔

۱۔ غیر معمولی مادی وسائل اور برطانیہ پر کئی گنا فوقیت رکھنے والے ذرائع ابلاغ نے امریکی استشراق کو نئی جہتیں عطا کیں۔

۲۔ عالم اسلام میں امریکہ کی دلچسپیوں میں اضافہ اور عرب اسرائیل تنازعے میں اس کا کردار۔

۳۔ امریکی زندگی کے مختلف گوشوں پر صہیونی اثرات۔

۴۔ سرد جنگ کے دوران کمیونسٹ اثرات کے مقابلے کے لیے امریکہ کے سیاسی اور عسکری تعلقات اور مصالح دنیا کے سارے ملکوں سے وابستہ ہوگئے۔ جن کی حفاظت کے لیے امریکی استشراق بھی زیادہ فعال، متنوع اور وسیع ہو گیا۔

۵۔ امریکی تعلیمی اداروں میں آنے والے دنیا بھر کے طلبہ نے بھی اس سکول کو موضوعی اور جغرافیائی دونوں اعتبار سے متنوع بنا دیا ہے۔

ج۔ جرمنی سکول۔

مشرق سے جرمنی کا تعلق دسویں صدی عیسوی سے شروع ہوا جبکہ اس کے شہنشاہ نے ۹۵۶ء میں یوحنا نام کے ایک پادری کو اپنا سفیر بنا کے خلیفہ الناصر کے پاس بھیجا تھا اور کراتسمان پہلا جرمنی فاضل ہے۔ جو مستشرق کی حیثیت سے مشہور ہوا۔ علوم شرقیہ کی خدمات کے اعتبار سے یہ استشراق کا سب سے اہم مدرسہ ہے،اس کے بعض خدوخال حسب ذیل ہیں۔

۱۔ اس سکول کے مستشرقین فنا فی العمل، غیر معمولی صبر و ریاضت اور طویل المدتی کار گزاریوں کے لیے معروف ہیں۔ وسٹنفلڈ نے تحقیق ومطالعے میں اپنی بصارت گنوادی اور یوہان رایسکے نے اپنی ساری زندگی عربی زبان وادب کے لیے وقف کردی اور شہید ادب عربی کے نام سے مشہور ہوا اور بروکلمان نے اپنی صرف ایک کتاب "تاریخ ادب عربی" کی ترتیب و تصنیف میں نصف

صدی صرف کردی۔

۲۔ عمل کی ضخامت بھی اس سکول کی نمایاں خصوصیت ہے، بقول المنجد۔ متعدد جرمن مستشرقین کی کارگزاریوں کی فہرست اس قدر طویل ہے کہ وہ اپنی ذات میں ایک مستقل اکیڈمی کی حیثیت رکھتے ہیں۔

۳۔ اٹھارہویں صدی سے قبل اس کی کارگزاری کا کوئی قابل ذکر نمونہ نہیں ملتا ہے۔

۴۔ مخطوطات کی تحقیق واشاعت اور ان کی فہارس کی ترتیب و تدوین میں اس سکول کو امتیازی شان حاصل ہے، جس کا مقابلہ کوئی بھی دوسرا سکول نہیں کرسکتا۔

۵۔ عربی لغات کی تحقیق واشاعت میں بھی اس نے نسبتاً زیادہ اہم کام کیا ہے۔

۶۔ اس سکول کے بعض مستشرقین نے مشرق کی جامعات میں تدریسی خدمت انجام دی اور کئی ایک عربی اکیڈمیوں کے ممبر رہے۔

۷۔ مشرقی آثار میں اس سکول کی دلچسپیاں سب سے نمایاں ہیں اور اس سلسلے میں جرمنی نے بہت سی مشرقی ملکوں میں علمی و تحقیقی ادارے قائم کیئے۔

۸۔اس سکول کا دائرہ کار عربی زبان اور اسلامی علوم تک ہی محدود رہا۔صرف چند افراد ہی اس دائرے سے باہر نکلے۔ جنھوں نے سنسکرت زبان اور ہندوستانی فلسفے کو اپنا موضوع بنایا۔

۹۔جرمن زندگی کے تمام شعبوں کی طرح یہ بھی نازی تحریک سے متاثر ہوا۔

۱۰۔اس اسکول میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت وعداوت کے جذبات سب سے کم ملتے ہیں۔

د۔اطالوی سکول

مشرق سے اپنے قدیم ترین تعلقات کی بنیاد پر پورے یورپ میں اٹلی کو امتیازی حیثیت حاصل ہے۔اور یہ تعلقات قبل مسیح سے قائم ہیں اس کے متعدد اسباب ہیں۔ جیسے جغرافیائی قربت، شمالی افریقہ اور بلاد شام میں طویل عرصے تک قائم رومی حکومت، بحیرہ روم سے ہونے والی مشرق و مغرب کی تجارت میں اطالوی بندرگاہوں کا کردار، عربوں کی صقلیہ میں حکومت اور ویٹکن کا اٹلی میں وجود وغیرہ۔اس اسکول کی اہم خدوخال و علامتیں درجہ ذیل ہیں۔

۱۔اس کے ظہور وارتقاء میں ویٹکن کا بنیادی حصہ رہا ہے۔

۲۔اس کا اولین محرک خالص دینی نوعیت کا تھا، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اٹلی میں علوم شرقیہ کے تمام ادارے اور مراکز راہبوں اور پادریوں کی کوشش سے قائم ہوئے جیسے روم کا مارونی کالج، جسے پاپائے روم گریگوریس نے ۱۵۸۴ء میں قائم کیا اور فلورنسا کا "مشرقی زبانوں کا اسکول" جس کی بنیاد ۱۹۲۳ء میں کارڈینال ڈی میڈیچی نے رکھی

۳۔عام طور پر اسلام اور مسلمانوں اور خصوصیت سے عربوں اور عربی زبان پر اس کی توجہ مرکوز رہی، کایتانی ،نلینو،جویدی اور میکانجلو جیسے مشاہیر اطالوی مستشرقین کی تحریریں اس کا ثبوت ہیں۔
۴۔اس اسکول کے بعض افراد بیک وقت ایک سے زیادہ عربی اکیڈمیوں کے ممبر رہے جیسے نیلنو اور فرائیشکو۔اور بہت سے دوسروں نے عرب کی یونیورسٹیوں میں درس و تدریس کا کام کیا۔ اور ان سے متعدد عرب مشاہیر نے تعلیم حاصل کی جیسے مشہور عربی ادیب ونا قد طہ حسین نے نیلنو سے تعلیم پائی جس کی گہری چھاپ ان کے فکر وادب میں ملتی ہے۔
۵۔اس اسکول کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے۔ کہ اس میں خواتین نے بڑی مقدار میں شرکت کی۔ جیسے ماریا نلینو۔اور انجیلا وغیرہ
۶۔علمی وراثت بھی اس اسکول کی خاص علامت ہے جیسے۔جویدی اور اس کا بیٹا میکانجلو، گبریلے اور اس کا بیٹا فرانشسکو اور نلینو اور اس کی بیٹی ماریا۔وغیرہ۔

ھ۔فرانسیسی اسکول

فرانس میں استشراق کے ظہور کے متعدد اسباب تھے۔جیسے اندلس میں اسلامی حکومت کا قیام (۷۱۱ تا ۱۴۹۲ء) جنوبی فرانس کے بعض علاقوں پر مسلمانوں کا تسلط،اندلس میں انفرادی اور اجتماعی طور پر فرانسیسی طلبہ کا حصول علم کیلئے آمدورفت،ایک علمی وفد میں شاہنشاہ لوئس ششم کی خالہ زاد بہن شہزادی الزبتھ بھی شریک تھیں۔ صلیبی جنگوں میں فرانس کی پر جوش شرکت، تبشیری اعمال میں اس کی دلچسپی، نپولین کا مصر پر حملہ (۱۷۹۸ء) اور بہت سے اسلامی اور مشرقی ملکوں میں فرانسیسی استعمار اور نو آبادیوں کا قیام وغیرہ ہیں۔فرانس کے استشراقی اسکول کے نمایاں خدوخال میں میں بعض مندرجہ ذیل ہیں۔
۱۔اسکی سرگرمیوں کے بنیادی طور پر تین محور ہیں۔(ا) دینی محور (ب) سیاسی محور (ج) استعماری محور
۲۔۱۷۹۵ء میں قائم ہونے والے مشرقی زبانوں کا انسٹیٹیوشن اور سوربون یونیورسٹی نے اس اسکول کو فعال اور متحرک بنانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔
۳۔اس اسکول کے آغاز میں بھی راہبوں اور پادریوں کا نمایاں کردار تھا اور اس کے بیشتر قدیم ادارے پادریوں کے ہی مرہون منت تھے اور ان ہی کی سرپرستی میں چلتے تھے۔
۴۔اس اسکول کی سب سے امتیازی خصوصیت عرب ملکوں کے غیر عربوں کی زبان اور ان کی تہذیب وثقافت کا وسیع مطالعہ ہے۔جو اس کی بدنیتی کا غماز ہے۔اس سلسلے میں متعلقہ قوموں اور جماعتوں کے بارے میں فرانسیسی مستشرقین کے مقالے،رسائل اور کتابیں یورپ کے نزدیک اولین مصادر کی حیثیت رکھتے ہیں جیسے

ا۔رسالہ "مخطوطات بربر" (۱۹۱۵ء۔۔۔۱۹۲۰ء)
ب۔ کتاب "قبطی اور بربر ادیان کا مطالعہ"

ج۔ کتاب "طوارق اور بربر لہجوں کا مطالعہ"
د۔ مقالہ "بربر، اسلام اور فرانس" وغیرہ۔
بربر، طوارق اور اقباط کی طرح دروز، ارمن اور اکراد وغیرہ پر بھی مختلف مضامین اور کتابیں اس اسکول کی طرف سے شائع ہوئیں۔
۵۔اس اسکول نے فرانسیسی نوآبادیوں کی تہذیب و ثقافت اور نظام تعلیم اور زبان پر گہرے اثرات ڈالے جس کی مثال کسی بھی دوسرے اسکول میں نہیں ملتی
۶۔استعمار کے وقت میں متعدد فرانسیسی مستشرقین نے فرانسیسی فوج اور اس کی نوآبادیوں میں اعلی عہدوں پر کام کیا۔اور استعمار کے خاتمے کے بعد اہم ترین سیاسی اور سفارتی خدمات انجام دیں۔
۷۔اس کے افراد کا موضوعاتی تخصص بھی اس اسکول کی ایک خصوصیت ہے۔
۸۔مشرقی ملکوں خاص کر اپنی نوآبادیوں میں بہت سے اسکول، مدارس اور ثقافتی مراکز قائم کیئے جیسے (الف) انسٹیٹیوٹ برائے مطالعہ شمالی مراکش ۱۹۴۱ء میں قائم ہوا۔
ب۔مصر کا "فرانسیسی علمی انسٹیٹیوٹ" ۱۷۹۸ء میں نپولین نے قائم کیا،
ج۔قاہرہ کا "فرانسیسی مرکز برائے مشرقی آثار" ۱۷۹۸ء میں قائم ہوا
د۔دمشق اور تہران کے فرانسیسی ثقافتی مراکز۔
ھ۔تیونس کا "انسٹیٹیوٹ برائے عربی ادب" ۱۸۴۱ء میں قائم ہوا۔
و۔الجزائر کا "مدرسہ برائے ادب عالیہ" ۱۸۸۱ء میں بنایا گیا۔

و۔روسی اسکول

اگرچہ سابق سوویت یونین اور موجودہ وفاقی روس کا بیشتر حصہ مشرق میں واقع ہے۔ مگر اس کے باوجود اس کا شمار استشراقی مدارس میں ہوتا ہے۔ جس کے منطقی اسباب یہ ہیں۔
(۱)۔سوویت یونین یا موجودہ روس مشرق کیلئے اپنے مقاصد، خواہشات، عزائم اور سیاسی نقطہ نظر میں دوسرے مغربی ملکوں جیسا ہی تھا۔اور ہے۔
(۲)۔علوم شرقیہ سے وابستہ روسی محققین و مصنفین اپنی فکر اور طریقہ کار میں عام مستشرقین سے مختلف نہیں ہیں۔
(۳)۔سابق یونین ہو یا موجودہ وفاق دونوں میں حاکم طبقہ کا تعلق یورپی حصہ سے تھا اور ہے۔
(۴)۔سویت یونین کے مارکسی اور الحادی نظریات مذہبی قدروں میں یقین رکھنے والے مشرق کیلئے مسیحی استشراق سے بڑا خطرہ تھے۔اور ہیں۔
مشرقی ملکوں خاص کر عالم اسلام سے روس کے ابتدائی تعلقات کی نشاندہی بارہویں صدی عیسوی میں ہوتی ہے۔جب روسی زائرین نے بیت المقدس کے سفر زیارت کے حالات پر کتابیں لکھیں جن میں پادری

دانیال کے سفر نامے ۱۱۰۶-۱۱۰۸ء نے بڑی شہرت حاصل کی
واضح رہے کہ یہاں روسی اسکول کے جن خدوخال اور خصوصیات کا ذکر کیا جائے گا ان کا تعلق سابق روسی صدر گورباچوف کے ذریعہ "پیرا سٹرائیکا" کے اعلان کے تاریخ (۱۵ جولائی ۱۹۸۸ء) سے پہلے کے روس سے ہے۔ بلاشبہ ستر سال سے آگ اور فولاد کی قوت سے نافذ اس فاسد اور ناپاک نظام کا خاتمہ روسی زندگی کے تمام گوشوں کو متاثر کرے گا۔ اور لازمی طور پر روسی استشراق کی صورت کیا ہوگی۔ اسے مستقبل کو طے کرنا ہے۔ لیکن اشتراکیت سے سرمایہ داری اور مغربی قدروں کیطرف روس کی موجودہ اندھی دوڑ کو دیکھتے ہوئے اس میں کسی مثبت تبدیلی کی توقع عبث ہوگی بلکہ زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ مستقبل میں روسی اسکول مارکسی الحاد وفساد اور مغربی مکر وفریب دونوں کا مجموعہ ہوجائیگا۔
اس اسکول کے کچھ اہم خدوخال یوں ہیں..
(۱) علوم شرقیہ میں اس کی دلچسپیاں قدیم ہیں لیکن باقاعدہ ایک اسکول کی حیثیت سے اس کا وجود انیسویں صدی سے قبل نہیں ملتا ہے۔
(۲)۔ بالشویک انقلاب کے بعد مشرقی زبانوں کے مطالعہ کا آغاز ہوا۔ ۱۹۱۷ء سے ۱۹۸۸ء تک یعنی مارکسی عہد میں دوسرے علوم کے مقابلہ میں زبانوں پر اس کی توجہ زیادہ رہی جیسے ترکی، چینی، منگولی، فارسی، عربی اور سنسکرت وغیرہ۔
(۳)۔ دوسرے نمبر پر اس کی توجہ کا مرکز مخطوطات کی تحقیق اور فہارس کی ترتیب تھا۔ جس کا ایک بڑا ذخیرہ مقبوضہ روسی ترکستان میں موجود تھا۔
(۴)۔ مقبوضہ ترکستان میں مسلمانوں کے وجود نے اسے حرکت ونشاط بخشا اور وہاں کے عربی، فارسی، ترکی اور ازبکی زبانوں میں اسلامی مخطوطات کی کثرت نے اس اسکول کو نمایاں بنانے میں اہم کردار ادا کیا اور اسے موضوعاتی تنوع عطا کیا
(۵)۔ امریکہ کے ساتھ سرد جنگ کے زمانے (۱۹۴۵ء--۱۹۸۸ء) میں اس نے اسلامی علوم پر توجہ دینا شروع کیا مگر پھر بھی دوسرے مدارس کے مقابلہ میں اس جانب اس کی توجہ واضح طور پر کم رہی ہے۔
(۶)۔ اس کے اکثر مشاہیر نے فرانسیسی مستشرق ڈی ساسی سے تعلیم و تربیت حاصل کی جو اپنی اسلام دشمنی کیلئے مشہور ہے۔
(۷)۔ علوم شرقیہ سے متعلق روس کے مطبعہ، پیٹرس برگ نے عالمی شہرت حاصل کی

ز۔ اسپینی اسکول

اسپین میں استشراق کے ظہور اور ارتقاء کا سبب وہاں مسلمانوں کی عظیم الشان حکومت (۷۱۱ء--۱۴۹۲ء) اور عصور وسطی کی سبب سے بڑی تہذیب کا قیام ہے۔ اسکے اہم خدوخال حسب ذیل ہیں۔
(۱)۔ اندلس کے مسلمانوں کی غیر معمولی علمی اور فکری ترقیوں نے اسپینیوں کو حد درجہ متاثر کیا اور

نتیجہ میں ان کے اندر عربی ادب اور اسلامی علوم کے حصول کا توق پیدا ہوا۔اور یہی دونوں عموماً اس اسکول کے محور ہیں۔

(۲)۔ تیرہویں صدی عیسوی سے علمی محرک کی حیثیت ثانوی درجے کی ہو گئی اور اس اسکول پر دینی محرک کا غلبہ ہو گیا۔

(۳)۔ اسپینی کتب خانوں میں موجود اسلامی مخطوطات اور آثار کے ذخیروں نے اس اسکول کے نشوونما اور اس کی سر گرمیوں کی نوعیت کے تعین میں قابل ذکر کردار ادا کیا۔

(۴)۔ کتب خانہ اسکوریال عربی مخطوطات اور آثار کے اہم ترین عالمی مراکز میں سے ہے۔اس اسکول کے خدوخال کی تعمیر میں اس کا بڑا دخل رہا ہے۔

(۵)۔اس نے عربی مخطوطات کی تحقیق واشاعت اور فہارس کی ترتیب پر خصوصی توجہ دی

(۶)۔ عربی کتابوں کے ترجمے میں اس کو امتیازی حیثیت حاصل ہے۔دوسرے موضوعات میں فلسفہ، تصوف ،ادب اور تاریخ شامل ہیں۔

(۷)۔مشہور اسپینی مستشرق گارسیا گومز کی سربراہی میں چلنے والے "ادارہ برائے عربی علوم وثقافت" اور آسیوس بلاسوس کے قائم کردہ "مدرسہ برائے مطالعہ علوم عربی" اس اسکول کے خاص مراکز ہیں

مذکورہ بالا مدارس ،استشراق کے اہم اور بڑے مدارس ہیں دوسرے تمام چھوٹے مدارس اپنے خدوخال اور خصوصیت کے اعتبار سے انہی میں سے کسی ایک کے تحت داخل ہیں یا ان میں سے متعدد کے خدوخال کا مجموعہ ھیں ۔بعض حضرات نے استشراق کو صرف تین مدرسوں میں تقسیم کیا ہے ۔"برطانوی "،"اطالوی" اور "فرانسیسی"۔ڈاکٹر نجیب عقیقی نے اس دائرے کو اور محدود کر کے استشراق کو صرف دو مدرسوں میں تقسیم کیا ہے

(۱)۔سیاسی مدرسہ (۲) اثری مدرسہ۔

لیکن مذکورہ بالا تقسیم غالباً زیادہ واضح اور حقیقت سے قریب تر ہے۔

معوذتین پر مستشرقین کے اعتراضات

ڈاکٹر محمد عمر
اسسٹنٹ پروفیسر پشاور یونیورسٹی

(حصہ دوم)

زربن حبیش کی روایت!

اس میں بھی اختلاف ہے۔امام ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) نے امام احمد سے وکیع عن سفیان کے واسطے سے اسے نقل کیا ہے۔اس میں زر کا بیان ہے۔کہ معوذتین کے بارے میں ابن مسعود سے میں نے دریافت کیا۔انہوں نے کہا۔میں نے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے دریافت کیا تھا۔آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے۔انہیں پڑھو۔اس نے انہیں پڑھا ہے۔تم بھی پڑھو پھر زر نے ابی سے دریافت کیا۔ابی نے بھی بغینہ یہی جواب دیا۔(۲۲)

دوسری روایت امام بخاری (م ۲۵۶ھ) نے علی بن عبداللہ بن سفیان کے واسطے سے نقل کی ہے۔اس میں زر نے ابی سے محض عبداللہ بن مسعود کا قول نقل کیا ہے۔لیکن اس قول کی کچھ تفصیل نہیں ہے۔صرف اسی قدر ہے۔"ان اخاک ابن مسعود یقول کذا کذا"(۲۳)

ظاہراً معلوم ہوتا ہے۔کہ زر نے وہی مقولہ نقل کیا ہوگا۔جس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے وکیع کے واسطے سے بیان کیا ہے۔اس کی تائید اس بیان سے بھی ہوتی ہے۔جس کو امام جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۱۱ھ) نے امام طبرانی سے نقل کیا ہے۔کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے معوذتین کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے وہی جواب دیا جس کو ہم نے مسند امام احمد رحمۃ اللہ علیہ میں ذکر شدہ وکیع کے حوالے سے نقل کیا ہے۔زر کا یہ بیان اگر صحیح مانا جائے تو اس سے ثابت ہوجاتا ہے۔کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ معوذتین کے قرآن میں سے ہونے کے منکر نہ تھے۔

تیسری روایت کو امام ابو بکر حمیدی (م ۲۱۹ھ) نے سفیان سے نقل کیا ہے۔اس میں ان تینوں روایتوں کے خلاف ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ابی سے فعل نقل کیا ہے نہ قول۔اس روایت میں بجائے یقول

کذاو کذا کے یوں ہے۔ یاابا المنذر ان اخاک ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔یحک المعوذتین من المصحف
اے ابو منذر! آپ کے بھائی ابن مسعود معوذتین کو مصحف سے مٹاتے ہیں" چوتھی روایت امام احمد رحمۃ
اللہ علیہ کی وہ ہے۔ جس کو حماد بن سلمہ نے عاصم کے واسطے سے نقل کیا ہے۔اس میں بجائے "یحک
المعوذتین من المصحف" کے لایکتب المعوذتین فی مصحفہ ہے۔یعنی مٹانے کی جگہ نہ لکھنے کا ذکر ہے۔(۲۴
بہر حال اس مضطرب اور مختلف بیان سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انکار ثابت ہونا
نہایت مشکل ہے۔ اور ایسا بیان گواہی میں قابل سماعت نہیں۔ زر کی اس روایت سے یہ فیصلہ مشکل ہے۔
کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے معوذتین کا انکار کیا ہے۔اور ان کو قرآن کریم کی سورتیں نہ مانتے
تھے۔ بلکہ اس روایت میں غور اور تنقیح کی جائے۔ تو معلوم ہو گا کہ اس میں وہ روایت صحیح ہے۔ جس کو
امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے وکیع عن سفیان کے واسطے سے نقل کیا ہے۔جس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ زر
نے معوذتین کے بارے میں پہلے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا اور پھر ابی سے پوچھا جو
جواب ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیا تھا وہی ابی نے دیا۔ اور زر نے ابی سے ابن مسعود کا جواب
بھی نقل کیا تھا۔ اس لئے اس روایت کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نقل کیا ہے۔ کیونکہ بخاری
میں بھی یہی ہے۔ کہ زر نے ابن مسعود کا کلام معوذتین کے بارے میں ابی کے روبرو ذکر کیا۔ نہ ابن
مسعود کا فعل۔ اور امام طبرانی نے بھی ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وہی روایت نقل کی ہے۔
جس کو ابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے نقل کیا۔ بہر حال امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے اس
روایت کی تائید بخاری وطبرانی دونوں کی روایات سے ہوتی ہے۔اس لئے اس کو زر کی دوسری روایت
پر ترجیح حاصل ہے۔اور اس صورت میں یہ روایت ابن مسعود کے اقرار کو ثابت کرے گی نہ انکار کو۔

علاوہ ازیں زر بن حبیش کی روایات میں ایک راوی عاصم بن بہدلہ ہے۔ جس کے بارے میں
امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہے۔ "لیس بحافظ" امام دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "فی حفظہ شی" ابن
خراش کہتے ہیں۔ "فی حدیثہ نکرۃ" ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ اسے کثیر الخطاء کہتے ہے۔ابو حاتم کا کہنا ہے۔"
لیس محلہ ان یقال ثقہ" امام عقیلی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کے سوء حفظ کا رونا روتے ہیں۔ یحییٰ القطان
فرماتے ہیں۔ "ماوجدت رجلاً اسمہ عاصم الاوجدتہ ردی الحفظ" (۲۵)

علقمہ کی روایت!

اس روایت میں تین راوی ایسے ہیں جن کی وجہ سے روایت قابل تنقیح اور قابل بحث ہو گئی
ہے۔

1)۔ ازرق بن علی! گو یہ معتبر ہے۔لیکن غریب حدیثوں کی روایت کرتا ہے۔ جیسا کہ امام شمس الدین
ذھبی رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۴۸ھ) رقم طراز ہیں۔
"ذکرہ ابن حبان فی ثقات وقال یغرب" اس لئے صحاح میں اس سے روایت نہیں ہے۔(۲۶)
2)۔ حسین ابن ابراہیم! بعض کے نزدیک اگرچہ ثقہ ہے۔ مگر امام نسائی کے نزدیک قابل وثوق نہیں

ہے۔ ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ کہ یہ حدیث کی روایت میں غلطی کرتے ہیں اور ایسی روایتیں بیان کرتے ہیں۔ جوکسی نے نہیں کیں۔ لسان المیزان نے اس نام سے کل سات افراد کا ذکر کیا ہے۔ جن میں سے پہلا مجہول، دوسرا دجال اور پانچ غالی شیعہ ہیں۔(۲۷) 3)۔ الصلت بن ابراہیم ! اگرچہ معتبر ہیں۔ مگر مرجئہ ہیں۔ ابوحاتم اور امام ابوذرعہ نے ان کے اس مذہب کی وجہ سے ان پر جرح کی ہے۔
"قال ابوحاتم لاعیب لہ الاالارجاء و کذا تکلم فیہ ابوذرعہ للارجاء"صحاح میں ان سے روایت نہیں ہے۔(۲۸)
کسی روایت میں ان تینوں راویوں میں سے اگر ایک بھی ہو۔ تو وہ روایت معلل ہوجائے گی۔ یعنی اس حدیث کی صحت میں فرق آجائے گا۔ اور صحت کامل نہ رہے گی، اور جس روایت میں اس قسم کے تین راوی ہوں تو ایسی روایت ہرگز بلا تنقیح قابل وثوق نہیں۔ خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ وہ روایت دوسری روایتوں کے خلاف ہو اور اجماع امت کا مقابلہ کرے ایسی صورت میں تو صحیح روایت بھی قابل وثوق نہیں رہتی۔ (۲۹) اور یہ مقابلہ اور مخالفت ہی خود اس کے ضعف اور واہی ہونے پر نشان ہوجاتا ہے۔
الغرض اس بارے میں جس قدر روایتیں ہیں۔ وہ

۱)۔ اول تو مضطرب اور مختلف ہیں۔ اور مضطرب روایات اگرچہ وہ ثقہ اور دیندار راویوں کی کیوں نہ ہوں۔ ہرگز لائق اعتبار اور قابل تسلیم نہیں ہیں۔

۲)۔ دوسرے ان تمام روایتوں کے راوی ایسے نہیں جن کی روایت صحیح ہو۔ بلکہ یہ تمام روایات راویوں کے ضعیف ہونے کی وجہ سے غیر معتبر ہیں۔

۳)۔ اگر ان روایتوں میں اضطراب نہ بھی ہوتا۔ اور ان کے راوی بھی دیندار، متہم نہ ہوتے۔ تو اس وقت بھی یہ قابل تسلیم نہ ہوتیں۔ کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بات تواتر سے پایہ ثبوت کو پہنچی ہے۔ کہ وہ ان سورتوں کو قرآن کریم کا جزء کہتے تھے۔ اور آئمہ قراء قرآن میں سے عاصم، حمزہ، کسائی اور خلف جو مشہور قراء ہیں۔ اور ان کی سند پر تمام امت کا اجماع ہے۔ نیز تمام بلاد اسلامیہ میں ان کی سندیں ہزاروں حفاظ کے پاس ہیں۔ ان چاروں کو اسی قرآن کی سند جس میں معوذتین ہیں، ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔ مثلاً (ا)۔ سند عاصم ! "سند عاصم ھکذا انہ قرء علی ابی عبدالرحمن عبداللہ بن حبیب و قرء علی ابی مریم زر بن حبیش الاسدی و علی سعید بن عیاش الشیبانی و قرء ھولآء علی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ و قرء ھو علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔

(ب)۔ سند حمزہ ! ایضاً ینتھی الی ابن مسعود و فی قراءتہ ایضاً المعوذتان والفاتحۃ وسندہ انہ قرء علی الاعمش ابی محمد سلیمان بن مھران واخذ الاعمش عن یحیٰی بن وثاب واخذ یحیٰی عن علقمہ والاسود وعبید بن نضلۃ الخزاعی وزر بن حبیش وابی عبدالرحمن السلمی وھم اخذوا عن ابن مسعود عن النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔

(ج)۔ سند الکسائی ! ینتھی الی ابن مسعود لانہ قرء علی حمزۃ و مثلہ ینتھی سند خلف الذی من العشرۃ الی ابن مسعود فانہ قرء علی سلیم وھو علی حمزۃ و قراءۃ الکسائی و قراءۃ خلف کلھا تنتھی الی ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ و فی ھذہ القراآت المعوذتان والفاتحۃ جزء من القرآن و داخل فیہ (۳۰)

لھذاان متواتر اور صحت کا اعلیٰ درجہ رکھنے والے سندوں کے مقابلے میں دوسری ضعیف روایتوں کا اعتبار نہیں ہوسکتا۔

بدیں وجہ علماء کرام نے ایسی روایات کو جعلی اور بے اصل قرار دیا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن حزم اندلسی (م۴۵۶ھ) تحریر فرماتے ہیں۔

1 ۔ "واما قولھم ان مصحف عبداللہ بن مسعود خلاف مصحفنا فباطل و کذب وافک، مصحف عبداللہ بن مسعود انما فیہ قراءتہ بلاشک وقراءۃ ھی قراءۃ عاصم المشھورۃ عند جمیع اھل الاسلام فی شرق الدنیا وغربھا فقرءھا کماذکرنا" (۳۱)

"یعنی یہ بات کہ مصحف ابن مسعود ہمارے موجودہ قرآن کے خلاف ہے۔ محض بہتان، افتراء اور جھوٹ ہے۔ ہاں واقعی ان کا قرآن ان کی قرات کے مطابق مرقوم تھا۔ اور ان کی قرات وہی تھی۔ جو قراء سبعہ میں سے عاصم کی قراءت ہے۔ اور اس وقت تمام دنیا میں مشہور ہے۔ یعنی محض قراءت کا فرق ہے نہ ترتیب کا۔ اسی طرح ایک دوسری جگہ رقم طراز ہیں۔ "وکل ماروی عن ابن مسعود من ان المعوذتین وام القرآن لم تکن فی مصحفہ فکذب موضوع لایصح، وانما صحت عنہ قراءۃ عاصم عن زر بن حبیش عن ابن مسعود وفیھا ام القرآن والمعوذتان" (۳۲)

۲)۔ امام شرف الدین نووی رحمۃ اللہ علیہ (م۶۷۶ھ) تحریر کرتے ہیں۔

"اجمع المسلمون علی ان المعوذتین والفاتحۃ من القرآن وان من جحد منھا شیاً کفر، ومانقل عن ابن مسعود باطل ولیس بصحیح" (۳۳)

"مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے۔ کہ معوذتین اور سورۃ فاتحہ قرآن کریم سے ہیں۔ اور اس بات پر بھی اجماع ہے۔ کہ جو شخص سورۃ فاتحہ یا معوذتین کا انکار کرے وہ کافر ہے۔ اور ابن مسعود سے (اسکے خلاف) جو کچھ منقول ہے۔ وہ صحیح نہیں ہے۔" اسی طرح شرح مسلم میں رقمطراز ہیں۔ "فیہ دلیل واضح علی کونھما من القرآن، ورد علی من نسب الی ابن مسعود خلاف ھذا، ومانسب الی ابن مسعود لایصح، بل تواتر عنہ عندنا انھما من القرآن، ولایتم ختم القرآن الا بھما، وصحت الاحادیث بذلک من طرق وانعقد اجماع المسلمین علی ذلک" (۳۴)

۳)۔ قاضی ابو بکر بن الطیب لکھتے ہیں:

"لم یصح ھذاالنقل عنہ ولاحفظ عنہ" (۳۵) "معوذتین کا انکار صحیح طور سے ابن مسعود سے ثابت نہیں" نیز تحریر کرتے ہیں۔ "ان نسبۃ الانکار الی ابن مسعود باطل" (۳۶)

۴)۔ امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ (م۶۰۶ھ) تحریر فرماتے ہیں۔

"واعلم ان ھذا فی غایۃ الصعوبۃ لانا ان قلنا ان النقل المتواتر کان حاصلاً فی عصر الصحابۃ یکون ذالک من القرآن. و کان ابن مسعود عالما بذالک فانکارہ یوجب الکفر او نقصان العقل وان قلنا ان النقل المتواتر فی ھذا المعنی ماکان حاصلاً فی ذالک الزمان فھذا یقتضی ان یقال ان نقل القرآن لیس متواتر فی الاصل وذلک یخرج القرآن

عن کونه حجة قطعية والاغلب على الظن ان نقل هذا المذهب عن ابن مسعود نقل باطل"(۲۷)
"جاننا چاہئے کہ یہ (یعنی اس روایت کی صحت) نہایت مشکل میں ہے۔ اس لئے کہ اگر ہم کہیں کہ نقل متواتر صحابہ کے زمانے میں سورۃ فاتحہ اور معوذتین کے قرآن ہونے کی موجود تھی۔ تو اس وقت میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو ضرور اس کا علم ہونا چاہئے تھا۔ لہذا ان کا انکار یا تو موجب کفر ہوگا یا دلیل نقصان عقل ہوگا۔ (حالانکہ یہ دونوں باتیں اتنے بڑے فقیہہ بلند مرتبہ صحابی کیلئے ناقابل تسلیم ہیں) اور اگر ہم کہیں کہ نقل متواتر معوذتین وغیرہ کے قرآن ہونے کی ابن مسعود کے زمانہ میں نہ تھی۔ تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ قرآن کریم اصل میں متواتر نہ رہے گا۔ اور یہ نتیجہ قرآن کریم کو حجت قطعی ہونے سے نکال دے گا۔ (اور یہ قطعاً محال ہے) اور بہت زیادہ غالب گمان یہ ہے کہ اس قول کا ابن مسعود سے نقل کرنا باطل ہے"

۵)۔ امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۷۱ھ) رقم طراز ہیں۔
"فيه خطاء الناقل لهذا المقالة عن عبد الله بن مسعود، وان الدليل القاطع قائم على كذبه على عبد الله وبراءة عبد الله عنها"(۲۸)

۶)۔ علامہ بحر العلوم عبد العلی محمد فرنگی محلی (م ۱۲۲۵ھ) رقم طراز ہیں۔
"نسبة انكار كونها من القرآن اليه غلط فاحش ومن اسند الانكار الى ابن مسعود فلا يعباء بسنده عنه معارضة هذه الاسانيد الصحيحة بالاجماع والمتلقاة بالقبول عند العلماء الكرام بل الامة كلها كافة فظهر ان نسبة الانكار الى ابن مسعود باطل"(۲۹)
"ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف سے اس کے قرآن ہونے کا انکار منسوب کرنا فاحش غلطی ہے۔ اور جس نے یہ انکار ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس روایت کی سند اس قابل ہی نہیں کہ اس کی طرف التفات کی جائے۔ جبکہ اس کے خلاف یہ صحیح سندیں موجود ہیں۔ جن کی صحت پر اجماع ہے اور جن کو تمام علمائے کرام نے بلکہ تمام امت نے قبول کیا ہے۔ پس صاف طور پر معلوم ہوگیا کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف انکار کرنا منسوب کرنا بالکل غلط ہے۔"
آگے لکھتے ہیں:
"بقي امر ترتيب السور فالمحققون على انه من امر الرسول صلى الله عليه وآله واصحابه وسلم وقيل هذا الترتيب باجتهاد من الصحابة واستدل عليه ابن فارس باختلاف المصاحف في ترتيب السور فمصحف امير المؤمنين على رضى الله عنه كان على ترتيب النزول ومصحف ابن مسعود على غير هذا والذي الآن والحق هو الاول وهذه الروايات مزخرفة موهومة ولم توجد في الكتب المعتبرة ولا يعباء بها في مقابلة التوارث الذي جرى من لدن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم الى الآن"(۴۰)
"محققین علماء کے نزدیک سورتوں کی ترتیب آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے حکم کے موافق ہے۔ یہ قول کہ صحابہ کرام نے اپنی رائے سے ترتیب دی ہے۔ اور اس پر دلیل لانا کہ حضرت علی رضی اللہ

عنہ اور ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصاحف کی ترتیب موجودہ ترتیب قرآن کے مخالف تھی۔ ایسی تمام روایات جعلی اور خیالی ہیں۔ واقعیت سے انہیں کچھ بھی تعلق نہیں۔ کسی معتبر کتاب میں ایسی روایات نہیں ملتیں۔ اس لئے یہ روایات ہر گز لائق التفات نہیں۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ قرآن کی یہ ترتیب تمام امت سے آج تک منقول ہے۔ اور سب کا اس پر اتفاق ہے"
لہذا جب قرآن کریم اسی ہیئت کذائی کے ساتھ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اہتمام سے آپ کی نظر مبارک کے سامنے جمع ہو چکا تھا۔ تو اس میں کسی قسم کا اختلاف نہ حضرت عبداللہ بن مسعود کر سکتے تھے نہ کوئی اور صحابی، نہ کوئی صحابی اس مصحف کے خلاف اپنا مصحف مرتب کر سکتا تھا۔ لہذا حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انکار معوذتین کا سرزد ہو جانا قطعاً ناممکن بات ہے۔ اور انکار کی روایت ان سے یقیناً غلط ہے۔ سب سے اہم قابل غور بات یہ کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں ہر رمضان میں نماز تراویح میں شریک ہوا کرتے تھے۔ اور امام تراویح میں ان دونوں سورتوں کو پڑھا کرتے تھے۔ لیکن کبھی بھی اس نے امام پر نکیر نہیں فرمائی۔ پس ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے معوذتین کے انکار کی نسبت غلط ہے۔ اور تراویح میں اس کا امام پر نکیر نہ فرمانا اور خاموش رہنا اس نسبت انکار کے عدم صحت کی قوی شاہد ہے۔ (۴۱)
اب ایک ذرا سی بات رہ گئی۔ کہ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے انکار معوذتین کی روایت کو صحیح کہا ہے۔ اور ان پر تقلید کر کے اور بھی دو ایک علماء نے اس کی تصحیح کی ہے۔ لیکن اس کافی تحقیق کے بعد اب اس کے جواب دینے کی حاجت نہ رہی۔ اور اصل یہ ہے۔ کہ جو روایت کسی علت معنوی کی وجہ سے مقدوح ہو جاتی ہے۔ بسا اوقات اس کی جرح و تعدیل میں محدثین کا اختلاف ہو جاتا ہے۔ کسی کا ذہن اس علت تک پہنچ جاتا ہے۔ اور وہ اس روایت پر قدح کر دیتا ہے۔ اور کسی کی سمجھ میں وہ علت نہیں آتی۔ اور وہ اس روایت کو صحیح کہہ دیتا ہے۔ چنانچہ علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۳۹ھ) ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں۔
"فما قال الشیخ ابن حجر العسقلانی فی شرح صحیح البخاری انہ قد صح عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ انکار ذالک باطل لایلتفت الیہ" (۴۲)
"یعنی شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان دو سورتوں کے انکار کو جو صحیح کہا ہے۔ وہ باطل ہے۔ اور قابل التفات نہیں"

روایات کے موضوع ہونے کی ایک اور دلیل!

عقلی طور پر بھی یہ بات قابل توجہ ہے۔ کہ اگر واقعی سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے قرآنی نسخے میں معوذتین کو مٹاتے رہتے تھے۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کو مٹانے سے پہلے انہوں نے اپنے قرآنی نسخے میں معوذتین کو لکھا بھی تھا۔ جنہیں بعد میں مٹانے کی نوبت آئی۔ تو یہاں سوال پیدا

ہوتا ہے ۔ کہ پہلے انہوں نے یہ سورتیں لکھی ہی کیوں تھیں ؟ اور اگر انہوں نے ان سورتوں کو قرآن مجید کا حصہ سمجھ کر لکھا ۔ تو اب انہیں مٹانے کی وجہ کیا تھی ؟ اور اگر یہ سورتیں منسوخ ہوگئی تھیں ۔ تو کب اور کیسے ؟ عہد نبوی میں یا عہد نبوی کے بعد ؟ اگر عہد نبوی کے بعد منسوخ ہوگئیں ۔ تو یہ سب سے بڑا جھوٹ ہوگا ۔ کیونکہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد تو نسخ محال ہے ۔ اور اگر عہد نبوی میں یہ سورتیں منسوخ ہوچکی تھیں تو اس کا علم کم وبیش سوا لاکھ صحابہ کرام میں سے صرف سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہوے کی بات عقل سلیم رکھنے والا شخص کسی طرح بھی تسلیم نہیں کرسکتا ۔

ایک تیر سے کئی شکار !

ابواسحاق سبیعی شیعی کی ایک روایت میں آتا ہے ۔ کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے معوذتین کو قرآن مجید میں سے کھرچ کر مٹانے کے بعد فرمایا ۔

کہ تم کس لئے اس چیز کا اضافہ کرتے ہو ۔ جو کہ قرآن کریم میں سے ہے ہی نہیں ۔

ابواسحٰق کے اس ایک لفظ سے کئی خرابیاں لازم آتی ہیں ۔ یعنی صحابہ کرام یہ جانتے تھے ۔ کہ معوذتین قرآن مجید کا حصہ نہیں ہے ۔ لیکن اس کے باوجود وہ قرآن مجید میں ان سورتوں کا اضافہ کرتے تھے ۔ تو گویا یہ تمام صحابہ کرام پر الزام ہے ۔ کہ وہ قرآن مجید میں اضافہ کرتے تھے ۔ اور اس طرح تمام قرآن مجید مشکوک ہوکر رہ جاتا ہے ۔ اس صورت میں کونسی چیز باقی رہے گی ۔ جس پر مسلمان یقین کریں ۔ تو گویا اس نے ایک ہی تیر سے کئی شکار کر لئے مثلاً

۱)۔ نعوذباللہ قرآن مجید ہی مشکوک ہوگیا ۔ جس پر مسلمانوں کے عقائد کی دارومدار ہے ۔

۲)۔ نیز یہ کہ صحابہ کرام نے اپنی مرضی سے قرآن مجید میں اضافے کئے ۔

۳)۔ یہ کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیگر صحابہ کو قائل نہ کرسکے ۔

۴)۔ دیگر صحابہ بھی نعوذباللہ اس قدر کمزور تھے ۔ کہ وہ صرف ایک صحابی کو بھی اس بات کا قائل نہ کرسکے ۔ کہ معوذتین قرآن مجید کی سورتوں میں سے ہی دو سورتیں ہیں ۔ جنہیں بار بار مٹانا درست نہیں ۔

۵)۔ یہ کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نعوذباللہ اجماع صحابہ کی مخالفت کا ارتکاب کیا ۔ جو کہ حرام ہے ۔

اگر ابواسحٰق سبیعی کی یہ بات درست تسلیم کرلی جائے ۔ تو اس سے مذکورہ بالا تمام خرابیوں کے علاوہ اہل اسلام کے عقائد کی بنیاد ہی ختم ہوجاتی ہے ۔ جب کہ یہ بات تمام ثقہ راویوں کے بھی خلاف ہے ۔ اس لئے کسی صورت میں بھی اس کی یہ بے اصل اور من گھڑت بات ماننے کے قابل نہیں ۔

مذکورہ بالا تحقیق کی روشنی میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا ۔ کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف معوذتین کے بارے میں منسوب بات نہ تو مستند تاریخی حقائق سے ثابت ہے ۔ اور نہ ہی اس کی سندیں

صحیح ہیں۔ بلکہ یہ روایتیں معلول ہیں۔ اور ان کی سب سے بڑی علت یہ ہے۔ کہ وہ ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کی ان قراءتوں کے خلاف ہیں۔ جو ان سے بطریق تواتر منقول ہیں۔ مسند احمد کی وہ روایت جس میں ابن مسعود کا یہ صریح قول نقل کیا گیا ہے۔ کہ انہما لیستا من کتاب اللہ۔ صرف عبدالرحمن بن یزید نخعی سے منقول ہے۔ اور کسی نے صراحۃ ان کا یہ جملہ نقل نہیں کیا۔ اور متواترات کے خلاف ہونے کی وجہ سے یہ جملہ یقیناً شاذ ہے۔ اور محدثین کے اصول کے مطابق حدیث شاذ مقبول نہیں ہوتی۔ (۴۳)

حواشی

۲۲)۔ احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) مسند ج ۵ ص ۱۲۹

۲۳)۔ محمد بن اسمعیل (م ۲۵۶ھ) صحیح بخاری کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ الفلق

۲۴)۔ مسند ج ۵ ص ۱۲۹۔ عبداللہ بن الزبیری الحمیدی (م ۲۱۹ھ) مسند الحمیدی حدیث نمبر ۳۷۴

۲۵)۔ میزان الاعتدال ج ۲ ص ۳۵۷ - ۳۵۸ - العسقلانی، احمد بن حجر (م ۸۵۲ھ) تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۳۵

۲۶)۔ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۷۵

۲۷)۔ العسقلانی، احمد بن حجر، لسانی المیزان ج ۲ ص ۲۶۸ - میزان الاعتدل ج ۱ ص ۵۳۰

۲۸)۔ میزان الاعتدال ج ۲ ص ۳۱۷ - تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۳۸۰

۲۹)۔ مظہر الحق، مصباح الحواشی شرح اردو اصول الشاشی ص ۱۳۴

۳۰)۔ بحر العلوم، عبدالعلی محمد بن نظام (م ۱۲۲۵ھ) فواتح الرحموت علی ہامش المستصفی ج ۲ ص ۹
الزرکشی، محمد بن عبداللہ (م ۷۹۴ھ) البرھان فی علوم القرآن ج ۲ ص ۱۲۸

۳۱)۔ کتاب الفصل ج ۲ ص ۷۷

۳۲)۔ المحلی ج ۱ ص ۱۳

۳۳)۔ السیوطی، جلال الدین (م ۹۱۱ھ) الاتقان ج ۱ ص ۷۹۔ البرہان ج ۲ ص ۱۲۸

۳۴)۔ صحیح مسلم کتاب فضائل القرآن وما یتعلق بہ باب فضل قراءۃ المعوذتین

۳۵)۔ فواتح الرحموت ج ۲ ص ۹۔ الاتقان ج ۱ ص ۷۹۔ النبراس ص ۴۳۹

۳۶)۔ فواتح الرحموت ج ۲ ص ۱۰

۳۷)۔ تفسیر الکبیر ج ۱ ص ۱۱۲

۳۸)۔ السبکی، عبدالوہاب بن تقی الدین طبقات الشافعیۃ الکبری ج ۲ ص ۲۰۷

۳۹)۔ فواتح الرحموت ج ۲ ص ۱۰

۴۰)۔ ایضاً ص ۱۲۔ (۴۱)۔ ایضاً ص ۹۔ (۴۲)۔ ایضاً ص ۹۔ النبراس ص ۴۳۹

۴۳)۔ سعید احمد، تحفۃ الدرر شرح نخبۃ الفکر فی مصطلح اہل الاثر ص ۱۹

محمد یونس شہر
لیکچرر اسلامیات ڈسکہ

"دو حکیم الامت"

(حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور علامہ اقبالؒ)

قومی سوچ اور دین کا درد رکھنے والے شاعر، ادیب، مفکر اور مصلح بھی خدا کی بہت بڑی نعمت ہوتے ہیں۔ یہ کسی قوم کا وہ دماغ ہوتے ہیں۔ جہاں بڑے بڑے انقلابات جنم لیتے ہیں۔ قوم پر اگر جمود طاری ہوتا ہے تو یہ فکر و عمل کے نئے نئے چراغ روشن کرتے ہیں اور اسے نئی آرزوئیں، حوصلے اور تازہ ولولے عطا کرتے ہیں۔ پھر قوم ان کے دماغ سے سوچتی ہے ان کی آنکھوں سے دیکھتی ہے اور ان کی بیتاب روح قوم کے جسد خاکی میں سرایت کر کے عظیم انقلاب برپا کر دیتی ہے۔ اسلام کی تابناک تاریخ میں ایسے بہت سے نام زندہ جاوید ہو چکے ہیں۔ لیکن یہاں برصغیر کی دو ہم عصر ہستیوں کا تذکرہ مطلوب ہے۔ یہ ہیں ڈاکٹر محمد اقبال (1876ء - 1938ء) اور مولانا اشرف علی تھانوی (1863ء - 945ء)۔ جی ہاں یہی ہیں "دو حکیم الامت"۔۔۔ "ڈاکٹر محمد اجمل اپنے مقالہ "علم اور مذہبی واردات" میں لکھتے ہیں

"بیسویں صدی کے اوائل میں برصغیر کے مسلمانوں نے دو ممتاز ہستیوں کو حکیم الامت کے نام سے یاد کیا ہے ایک تھے مولانا اشرف علی تھانوی اور دوسرے علامہ محمد اقبال۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں ہستیاں "دو حکیم الامت تھیں"

دونوں کی زندگی کا مقصد "اسلام کی نشاۃ ثانیہ" اور اصلاح امت تھا۔ یہی وجہ ہے کہ دونوں کے افکار میں حیرت انگیز طور پر ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ یہ مماثلت دو قومی نظریہ، تحریک پاکستان، تعلیم و تربیت، اصلاح احوال طبقہ نسواں، فقہ و اجتہاد اور اتحاد و اصلاح امت کے شعبوں میں بہت نمایاں ہے۔

ہندوستان کے علماء میں مولانا تھانوی کو یہ امتیاز حاصل رہا ہے کہ ان کی سیاسی اور دینی بصیرت نے کبھی ٹھوکر نہیں کھائی۔ مولانا جو صرف روز اول ہی سے دو قومی نظریہ کے حامی اور ہندو مسلم اتحاد کے مخالف رہے۔ فرماتے ہیں! "بعض کفار (گاندھی وغیرہ) پر مجھے بہت ہی غیظ ہے ان کی وجہ سے مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچا اور ہزاروں جانیں ضائع ہوئیں۔ ہجرت کا سبق پڑھایا، شدھی کا مسئلہ اٹھایا یہ لوگ مسلمانوں کی جان و مال بلکہ ہر چیز کے دشمن ہیں ایسے لوگوں سے اتحاد کیونکر ممکن ہو سکتا ہے۔ مولانا نے اپنے خطبات اور وعظوں میں گاندھی کو جا بجا طاغوت، دجال، شیطان، مکار، عدو اسلام اور بدفہم کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ علامہ اقبال ابتداء میں ہندو مسلم اتحاد کے حامی تھے۔ پھر ہندوستانی بچوں کا قومی گیت گانے اور ترانہ ہندی بجانے کے بعد 1908ء میں دو قومی نظریے کے قائل ہوئے اور ترانہ ملی اور "وطنیت" جیسی پرجوش نظمیں تحریر کیں۔ تحریک ہجرت، ترک موالات،

تحریک خلافت وغیرہ میں دونوں رہنماؤں میں مکمل ہم آہنگی نظر آتی ہے۔ مولانا نے گاندھی اور کانگرس کے عزائم کے بارے میں بڑے حقیقت پسندانہ تبصرے فرمائے جو آگے چل کر بڑی بڑی پیش گوئیاں کے طور پر سچ ثابت ہوئے۔ آپ نے جھانسی اور سہارنپور کے انتخابات میں مسلم لیگ کی حمایت اور کانگرس کی مخالفت میں فتوی جاری کیا جس سے مسلم لیگ کے امیدوار کامیاب ہوئے۔

اقبال عورت کو تمدن کی جز قرار دیتے ہیں اس لیے ان کی تعلیم و تربیت ٹھوس دینی بنیادوں پر کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے 1910 ء میں علی گڑھ میں تعلیم نسواں کا جو نصاب تجویز فرمایا۔ مولانا تھانوی نے اس نصاب کو "بہشتی زیور" کی شکل میں عملاً مدون کیا آج یہ کتاب عورتوں کے بارے میں دینی و دنیاوی علوم کا انسائیکلوپیڈیا کہلاتی ہے۔ اس کے علاوہ "اصلاح المسلمین" اور "اصلاح انقلاب امت" (۲ جلدیں) جیسی مفید کتابیں لکھیں۔ مولانا کی تصانیف کی کل تعداد 1000 بتائی جاتی ہے۔ جن میں آپ کی تفسیر "بیان القرآن" بھی شامل ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ 1915 ء میں اسرار خودی کی اشاعت پر تصوف کے حوالے سے اقبال پر مشرق و مغرب میں تنقید شروع ہوئی جو 1920 ء تک جاری رہی اس زمانے میں آپ کے مضامین اور خطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ تصوف اور مسئلہ وحدۃ الوجود میں مولانا تھانوی کے افکار سے متاثر تھے۔
9 فروری 1916 ء کو ایک مضمون میں خواجہ حسن نظامی سے مخاطب ہوتے ہیں۔

"حضرت میں نے مثنوی مولانا روم کو بیداری میں پڑھا ہے اور بار بار پڑھا ہے۔ آپ نے شاید اسے سکر کی حالت میں پڑھا ہے کہ اس میں آپ کو وحدۃ الوجود نظر آتا ہے۔ مولوی اشرف علی تھانوی صاحب سے پوچھئے وہ اس کی تفسیر کس طرح کرتے ہیں اس بارے میں میں انہی کا مقلد ہوں"۔

مولانا نے مسئلہ تصوف پر "شریعت و طریقت"، "حقیقت تصوف"، "تربیت السالک"، "عنوان تصوف" جیسی کتب تصنیف فرمائیں۔ لیکن مولانا کا ایک اور علمی کام جس سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔ مثنوی مولانا روم کی شرح "کلید مثنوی مولانا روم" ہے جسے 24 جلدوں میں ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان نے شائع کیا ہے۔ یہ کتاب مولانا روم، علامہ اقبال اور حضرت تھانوی کے عقیدت مندوں کے لیے بڑی خاصے کی چیز ہے۔

ان چند لائنوں میں مولانا اور علامہ اقبال کے علمی و فکری تعلقات پر بحث ناممکن ہے۔ مقصود تو دو مفکروں کے مشترکہ فکری سرمایہ کی طرف ارباب تحقیق کی توجہ مبذول کرانا ہے۔ اگر ایسا ہوا تو امت کے دو بہت بڑے طبقے مزید ایک دوسرے کے قریب آئیں گے۔ اور فکر و فن کی نئی نئی راہیں سامنے آئیں گی۔ (انشاءاللہ)

(نوٹ)۔ "تمام حوالہ جات راقم الحروف کے پاس موجود ہیں"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور بیورو کریسی

ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی (ایم۔اے، ایل۔ایل۔بی، پی ایچ ڈی)

حصہ دوم

یہ کتاب کافی عرصہ تک محفوظ رہی۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس اس کا ایک نسخہ ان کی اولاد کے پاس رہا امام زھری نے حضرت سالم بن عبد اللہ سے یہ کتاب پڑھی اور بعد میں اس کا درس دیتے تھے۔ امام زھری خود اس بارے میں کہتے ہیں۔

عن ابن شہاب قال هذه نسخة كتاب رسول الله صاى الله عليه وسلم الذى كتبه فى الصدقة وهى عند آل عمر بن الخطاب رضى الله عنه قال ابن شهاب اتر انيها سالم بن عبد الله بن عمر نو تيها على وجهها وهى التى انسلخ عمر بن عبد العزيز من عبد الله بن عبد العزيز بن عمر وسالم بن عبد الله بن عمر

یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ کتاب ہے جو آپ نے صدقات پر تحریر کرائی تھی اس کا بنیادی نسخہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اولاد کے پاس رہا ہے میں نے یہ کتاب حضرت سالم بن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے پڑھی اور اسے حفظ کر لیا جہاں تک اس کی نقل کا تعلق ہے تو یہ مجھے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے ہاتھوں حاصل ہوئی۔ انہوں نے یہ نسخہ حضرت سالم اور حضرت عبداللہ سے حاصل کیا تھا۔ (سنن ابی داؤد ج ا ص ۲۲۰)

اس کتاب کے بارے میں ذخیرہ حدیث میں جو روایات ملتی ہیں ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس کتاب کی باقاعدہ ترویج ہوئی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس کی کئی کاپیاں لکھوائیں اور اپنے عمال کے پاس بھجوائیں۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے عمال کو اس کتاب کی کاپیاں دیں۔ حضرت ابو بکر کے پاس اس کا جو نسخہ تھا وہ بنیادی نسخہ تھا اور اس پر آپ علیہ السلام کی مہر بھی ثبت تھی۔ حضرت حماد اس ضمن میں کہتے ہیں۔

اخذت من ثمامة بن عبدالله بن انس كتا با زعم ان ابابكر كتبه لانس وعليه حاتم رسول الله صلى الله عليه وسلم حين بعثه مصدقاً و كتبه له"

میں نے حضرت ثمامہ بن عبداللہ سے یہ کتاب حاصل کی۔ جب انہیں حضرت ابو بکر نے (بحرین کا) عامل بنا کر بھیجا تو یہ ان کے لئے لکھوائی تھی۔ اس پر حضور علیہ السلام کی مہر بھی ہے۔

حضرت حماد کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب الصدقہ کا ایک نسخہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے خاندان میں بھی رہا۔ حضرت ثمامہ چونکہ حضرت انس کے پوتے ہیں۔ اس لیے یہ کتاب ان کو اپنے والد عبداللہ بن انس سے ملی ہو گی۔ حضرت حماد نے یہاں "اخذت" کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ جس کا مقصد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت ثمامہ یہ کتاب باقاعدہ پڑھاتے ہوں گے۔ حضرت حماد نے ان سے پڑھی ہو گی۔

(ماخوذہ علم حدیث) اسلامی خط و کتابت کورس یونٹ نمبر ۲ دعوۃ اکیڈمی۔
بین الاقوامی، اسلامی یونیورسٹی۔ اسلام آباد۔

کیا ہتھیار ڈالے جا سکتے ہیں؟

قرآن حکیم اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں ملٹری حکام اور جوانوں کے لیے بھی تفصیل سے ہدایات موجود ہیں۔ فوج کے اولی الامر کو حکم نہیں کہ وہ ہتھیار ڈالنے کے حکم کو مانیں ماسوائے یہ کہ کوئی حربی چال ہو اور فوجوں کو باہر نکالنا مقصود ہو بصورت دیگر نہیں۔ سورۃ انفال کی آیات ۱۶-۱۵ واضح ہیں

یآیھا الذین آمنوآ اذا لقیتم الذین کفروا زحفاً فلا تولوھم الادبار ہ ومن یولھم یومئذ دبرہ الامتحرفاً لقتال او متحیراً الیٰ فئة فقد بآ بغضب من اللہ وماوئہ جھنم وبئس المصیر ہ

اے ایمان والو، جب میدان جنگ میں کافروں سے تمہارا مقابلہ ہو جائے تو ان سے پیٹھ مت پھیرو (جہاد میں پیٹھ دکھانا اور دشمن سے بھاگنا مسلمان کو روا نہیں) اور جو کوئی (جہاد میں) اس روز ان سے پشت پھیرے گا، بجز اس صورت کے کہ (اصول جنگ کے تحت) یہ ہنر ہو یا اپنی فوج میں جاملنا (منظور) ہو، تو وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹے گا۔ اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

(ترجمہ از ڈاکٹر سید حامد حسن بلگرامی، فیوض القرآن (جلد اول) (ایم ایچ سعید کمپنی۔ کراچی، فروری 1987ء صفحہ 391

سید ابوالاعلیٰ مودودی ان آیات کی تفسیر ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔

دشمن کے شدید دباؤ پر مرتب پسپائی (Orderly Retreat) ناجائز نہیں ہے۔ جبکہ اس کا مقصود اپنے عقبی مرکز کی طرف پلٹنا یا اپنی ہی فوج کے کسی دوسرے حصہ سے جاملنا ہو۔ البتہ جو چیز حرام کی گئی ہے وہ بھگدڑ ہے جو کسی جنگی مقصد کے لیے نہیں بلکہ محض بزدلی و شکست خوردگی کی وجہ سے ہوتی ہے اور اس لیے ہوا کرتی ہے کہ بھگوڑے آدمی کو اپنے مقصد کی بہ نسبت جان زیادہ پیاری ہوتی ہے۔ اس فرار کو بڑے گناہوں میں شمار کیا گیا ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، کہ تین گناہ ایسے ہیں کہ ان کے ساتھ کوئی نیکی فائدہ نہیں دیتی، ایک شرک، دوسرے والدین کی حق

تلفی، تیسرے میدان قتال فی سبیل اللہ سے فرار۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں آپ نے سات بڑے گناہوں کا ذکر کیا ہے۔ جو انسان کے لیے تباہ کن اور اس کے انجام اخروی کے لیے غارت گر ہیں۔ ان میں سے ایک یہ گناہ بھی ہے کہ آدمی کفر و اسلام کی جنگ میں کفار کے آگے پیٹھ پھیر کر بھاگے۔ اس فعل کو اتنا بڑا گناہ قرار دینے کی وجہ صرف یہی نہیں ہے کہ یہ ایک بزدلانہ فعل ہے، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک شخص کا بھگوڑا پن بسا اوقات ایک پوری پلٹن کو، اور ایک پلٹن کا بھگوڑا پن ایک پوری فوج کو بد حواس کر کے بھگا دیتا ہے اور پھر جب ایک دفعہ کسی فوج میں بھگدڑ پڑ جائے تو کہا نہیں جاسکتا کہ تباہی کس حد پر جا کر ٹھہرے گی۔ اس طرح کی بھگدڑ صرف فوج ہی کے لیے تباہ کن نہیں ہے بلکہ اس ملک کے لیے بھی تباہ کن ہے جس کی فوج ایسی شکست کھائے"۔

تفہیم القرآن جلد دوم۔ (صفحہ 135)

عبداللہ یوسف علی اپنی تفسیر THE HOLY QURAN,

TEXT, TRANSTATION AND COMNENTORY

کے صفحہ نمبر 418 پر رقم طراز ہیں

Death or victory should be the motto of every soldier, it may be death for himself individually, but if he has faith, there is triumph in either case for his cause. Two exceptions are recognised: (1) reculer pour mieux sauter, to go back in order to jump forward; or to deceive the enemy by a feint: (2) if an individual or body is, by the chances of battle, isolated from his own force, he can fall back on his forec in order to fight the battle. There is no virtue in mere single handedness. Each ndividual must use his life and his resoureces to the best advantage for the common cause.

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع معارف القرآن (جلد چہارم) کے صفحات نمبر 200 - 199 پر اس مسئلہ پر تفصیل سے بحث کرتے ہیں۔

"آیات مذکورہ میں سے پہلی دو آیتوں میں اسلام کا ایک جنگی قانون بتلایا گیا ہے۔ پہلی آیت میں لفظ زحف سے مراد دونوں لشکروں کا مقابلہ اور اختلاط ہے معنی یہ ہیں کہ ایسی جنگ چھڑ جانے کے بعد پشت پھیرنا اور میدان سے بھاگنا مسلمانوں کے لیے جائز نہیں۔

دوسری آیت میں اس حکم سے ایک استثناء کا ذکر اور ناجائز طور پر بھاگنے والوں کے عذاب شدید کا بیان ہے۔

استثناء دو حالتوں کا ہے۔ الا متحرفا لقتال او متحیزاً الیٰ فئة یعنی جنگ کے وقت

پشت پھیرنا صرف دو حالتوں میں جائز ہے۔ایک تو یہ کہ میدان سے پشت پھیرنا محض جنگی چال کے طور پر دشمن کو دھوکا دینے کے لئے ہو، حقیقۃ میدان سے ہٹنا مقصود نہ ہو بلکہ مخالف کو ایک غفلت میں ڈال کر یکبارگی حملہ پیش نظر ہو۔یہ معنی ہیں الامتحرفا لقتال کے کیونکہ تحرف کے معنی کسی ایک جانب مائل ہونے کے آتے ہیں۔(روح المعانی)

دوسری استثنائی حالت جس میں میدان سے پشت پھیرنے کی اجازت ہے یہ ہے کہ اپنے موجودہ لشکر کی کمزوری کا احساس کر کے اس لئے پیچھے ہٹیں کہ مجاہدین کی مزید کمک حاصل کر کے پھر حملہ آور ہوں۔او متحیزاالی فئۃ کے یہی معنی ہیں، کیونکہ تحیز کے لفظی معنی انضمام اور ملنے کے ہیں۔اور فئۃ کے معنی جماعت کے۔مطلب یہ ہے کہ اپنی جماعت سے مل کر قوت حاصل کرنے اور پھر حملہ کرنے کی نیت سے میدان چھوڑے تو یہ جائز ہے۔

یہ استثناء ذکر کرنے کے بعد ان لوگوں کی سزا کا ذکر ہے۔جنھوں نے استثنائی حالات کے بغیر ناجائز طور پر میدان چھوڑا، یا پشت موڑی۔ارشاد ہے۔فقد با بغضب من اللہ و ماوانہ جھنم و بئس المصیر یعنی میدان سے بھاگنے والے اللہ تعالیٰ کا غضب لے کر لوٹے اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

ان دونوں آیتوں سے یہ حکم معلوم ہوا کہ فریق مقابل کتنی ہی زیادہ تعداد اور قوت و شوکت میں ہو مسلمانوں کو ان کے مقابلہ سے پشت پھیرنا حرام ہے۔بجز دو استثنائی صورتوں کے یہ کہ پشت پھیرنا بھاگنے کیلئے نہ ہو بلکہ یا تو پینترا بدلنے کے طور پر ہو، اور یا کمک حاصل کر کے دوبارہ حملہ کرنے کے قصد سے ہو۔

غیر قانونی حکم میں اطاعت نہیں

سورۃ الممتحنہ کی آیت نمبر ۱۲ میں ارشاد ربانی ہے۔

یاایھاالنبی اذا جآ ک المو منت یبایعنک علیٰ ان لا یشر کن باللہ شیئا ولا یسر قن ولا یز نین ولا یقتلن اولادھن ولا یاتین ببھتان یفترینہ بین ایدیھن وار جلھن ولا یعصینک فی معروف فبایعھن واستغفر لھن اللہ ان اللہ غفور رحیم

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) جب تمہارے پاس مومن عورتیں بیعت کرنے کیلئے آئیں اور اس بات کا عہد کریں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں گی، چوری نہ کریں گی، زنا نہ کریں گی، اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی، اپنے ہاتھ پاؤں کے آگے کوئی بہتان گھڑ کر نہ لائیں گی اور کسی امر معروف میں تمہاری نافرمانی نہ کریں گی، تو ان سے بیعت لے لو اور ان کے حق میں اللہ سے دعائے مغفرت کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ در گذر فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب امام ابو بکر جصاص کے حوالے سے رقمطراز ہیں (بحوالہ تفہیم القرآن

جلد پنجم صفحات ۴۴۶،۴۴۴-۴۴۷

اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ اس کا نبی کبھی معروف کے سوا کسی چیز کا حکم نہیں دیتا، پھر بھی اس نے اپنے نبی کی نافرمانی سے منع کرتے ہوئے معروف کی شرط لگا دی تاکہ کوئی شخص کبھی اس امر کی گنجائش نہ نکال سکے کہ ایسی حالت میں بھی سوطین کی اطاعت کی جائے جب ان کا حکم اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں نہ ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ من اطاع مخلوقاً فی معصیۃ الخالق سلط اللہ علیہ ذالک المخلوق، یعنی جو شخص خالق کی معصیت میں کسی مخلوق کی اطاعت کرے اللہ تعالیٰ اس پر اس مخلوق کو مسلط کر دیتا ہے۔(احکام القرآن)

علامہ آلوسی فرماتے ہیں۔۔یہ ارشاد ان جاہلوں کے خیال کی تردید کرتا ہے، جو سمجھتے ہیں کہ اولی الامر کی اطاعت مطلقاً لازم ہے۔اللہ تعالیٰ نے تو رسول کی اطاعت پر بھی معروف کی قید لگادی ہے۔حالانکہ رسول کبھی معروف کے سوا کوئی حکم نہیں دیتا۔اس سے مقصود لوگوں کو خبردار کرنا ہے، کہ خالق کی معصیت میں کسی کی اطاعت جائز نہیں (روح المعانی بحوالہ تفہیم القرآن جلد پنجم صفحہ ۴۴۷)

حقیقت میں سورۃ ممتحنہ کا مذکورہ بالا حکم اسلام میں قانون کی حکمرانی Rule of law کا سنگ بنیاد ہے۔ شریعت اسلامیہ میں جرم جرم ہے۔اگر افسران بالا اس کا حکم دیں یا حاکم وقت اس کی اطاعت ممنوع ہے۔وہ خود مجرم ہے۔تعمیل کرنے والا ماتحت اہل کار یا افسر بھی اسی طرح کا ایک مجرم ہے۔لہٰذا حاکم وقت کی اس بات یا حکم سے ماتحت اس بنا پر نہیں بچ سکتا کہ اسے حاکم وقت یا افسر بالا نے ایک غیر قانونی حکم دیا تھا۔

ان لاتنازع الامر اھلہ الاان ترو اکفر ابو احا عندکم من اللہ فیہ برھان

یعنی یہ کہ ہم اپنے سرداروں اور حاکم سے نزاع نہ کریں گے الا یہ کہ ہم ان کے کاموں میں کھلم کھلا کفر دیکھیں خواہ جس کی موجودگی میں ان کے خلاف ہمارے پاس خدا کے حضور پیش کرنے کیلئے دلیل موجود ہو۔(مسلم، بخاری)

یکون علیکم امراء تعرفون و تنکرون فمن انکر فقد بری ومن کرہ فقد سلم ولکن من رضی و تابع فقالو اافلانقاتلھم؟ قال لامن صلوا(مسلم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم پر ایسے لوگ بھی حکم کریں گے، جن کی بعض باتوں کو تم معروف پاؤ گے اور بعض منکر اور جس نے ان کے منکرات پر اظہار ناراضی کیا۔وہ بری الذمہ ہوا۔اور جس نے ان کو ناپسند کیا وہ بھی بچ گیا مگر جو ان پر راضی ہوا اور پیروی کرنے لگا وہ ماخوذ ہو گیا۔صحابہ نے پوچھا پھر جب ایسے حکام کا دور آئے تو کیا ہم ان سے جنگ نہ کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔جب تک وہ نماز پڑھتے رہیں۔

شرار ائمتکم الذین تبغضونھم و یبغضونکم وتلعنونھم ویلعنونکم قلنا یا رسول اللہ افلا تنابذھم عندذالک قال لاما اقامو افیکم الصلاۃ لاما اقامو افیکم الصلاۃ(مسلم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمھارے بد ترین سردار وہ ہیں جو تمھارے لئے مبغوض ہوں اور تم ان کیلئے مبغوض ہو تم ان پر لعنت کرو اور وہ تم پر لعنت کریں۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، جب یہ صورت ہو تو کیا ہم مقابلہ پر نہ اٹھیں؟۔ فرمایا، نہیں جب تک وہ تمھارے درمیان نماز قائم کرتے رہیں۔

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی فرماتے ہیں۔ مذکورہ بالا دونوں اطاعتوں کے بعد اور ان کے ماتحت تیسری اطاعت جو اسلامی نظام میں مسلمانوں پر واجب ہے وہ ان اولی الامر کی اطاعت ہے، جو خود مسلمانوں میں سے ہوں۔ اولی الامر کے مفہوم میں وہ سب لوگ شامل ہیں جو مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کے سربراہ کار ہوں خواہ وہ ذھنی یا فکری رہنمائی کرنے والے علماء ہوں یا سیاسی رہنمائی کرنے والے لیڈر یا ملکی انتظام کرنے والے حکام یا عدالتی فیصلے کرنے والے جج یا تمدنی و معاشرتی امور میں قبیلوں اور بستیوں اور محلوں کی سربراہی کرنے والے شیوخ یا سردار، غرض جس حیثیت سے بھی مسلمانوں کا صاحب امر ہے وہ اطاعت کا مستحق ہے۔ اور اس سے نزاع کر کے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں خلل ڈالنا درست نہیں ہے۔

بشرطیکہ وہ خود مسلمانوں کے گروہ میں سے ہو اور خدا اور رسول کا مطیع ہو۔ یہ دونوں شرطیں اس اطاعت کیلئے لازمی شرطیں ہیں اور یہ نہ صرف آیت مذکورہ صدر میں صاف طور پر درج ہیں، بلکہ حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پوری شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمادیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح طور پر فرمادیا

السمع والطاعة علی المرء المسلم فی ما احب و کرہ مالم یو مر بمعصیة فاذا امر ہ بمعصیة فلا سمع ولا طاعة (بخاری و مسلم)

مسلمان کو لازم ہے کہ اپنے اولی الامر کی بات سنے اور مانے خواہ اسے پسند ہو یا ناپسند تا وقت یہ کہ اسے معصیت کا حکم نہ دیا جائے۔ اور جب اسے معصیت کا حکم دیا جائے تو پھر اسے نہ کچھ سننا چاہیئے اور نہ ماننا چاہیئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لاطاعة للمخلوق فی معصیة اللہ۔ لاطاعة فی معصیة انما الطاعة فی المعروف (بخاری، مسلم)

یعنی مخلوق یا رعایا ایسا حکم نہ مانے جو خدا کی نافرمانی ہو۔ خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی میں کوئی اطاعت نہیں ہے۔ اطاعت جو کچھ بھی ہے، معروف میں ہے۔

سامان رسد روک کر دشمن کو بھوکا مارنا ناجائز ہے۔ چونکہ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ثمامہ بن اثال رئیس یمامہ نے اسلام قبول کرنے کے بعد قریش کو یمامہ کے غلہ کی ترسیل روک دی مکہ میں سارا غلہ یمامہ ہی سے آتا تھا۔ غلہ بند ہو جانے کی وجہ سے نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ لوگ چمڑا اور

مردار کھانے پر مجبور ہوگئے۔ بالآخر لاچار ہو کر ابو سفیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی آپ کا دعوی ہے کہ اللہ تعالی نے آپ صلعم کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے لیکن حالت یہ ہے کہ آپ صلعم کی قوم بھوک کی شدت سے ہلاک ہو رہی ہے۔ اور آپ صلعم کو کوئی خیال نہیں۔ اس پر آپ صلعم نے ثمامہ کو کہلا بھیجا کہ مکہ میں غلہ کی ترسیل حسب سابق جاری کر دی جائے

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور مبارک میں حکام کی نگرانی

ذاتی معاملات میں رفق و ملاطفت ان کا خاص شیوہ تھا۔ لیکن انتظام و مذہب میں اس قسم کی مداہنت کو کبھی روانہ رکھتے تھے۔ چنانچہ حکام سے جب کبھی کوئی نازیبا امر سرزد ہو جا تو نہایت سختی کے ساتھ چشم نمائی فرماتے۔ یمامہ کی جنگ میں مجاعہ حنفی نے جو مسیلمہ کذاب کا سالار تھا۔ حضرت خالد بن ولید کو دھوکا دے کر مسیلمہ کی تمام قوم کو مسلمانوں کے پنجہ اقتدار سے۔ بچا لیا۔ حضرت خالد بن ولید نے اس غداری پر اس کو سزا دینے کی بجائے اس کی لڑکی سے شادی کر لی۔ چونکہ اس جنگ میں بہت سے صحابہ شہید ہوئے تھے۔ اس لئے ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی اس مسامحت پر سخت ناراضی ظاہر کرتے ہوئے لکھا:

تتوثب علی النساء وعند	یعنی تمھارے خیمہ کی طناب کے پاس مسلمانوں کا خون بہہ رہا ہے۔ اور
اطناب بیتک دماء المسلمین	تم عورتوں کے ساتھ عیش و عشرت میں مصروف ہو۔

مالک بن نویرہ منکر زکوۃ تھا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تنبیہہ پر مامور ہوئے، لیکن انہوں نے ربانی ہدایت سے پہلے ہی اس کو قتل کر ڈالا۔ مالک کا بھائی شاعر تھا۔ اس نے اس کا نہایت پر درد مرثیہ لکھا اور ظاہر کیا کہ وہ تائب ہونے کے لیے تیار تھا۔ مگر خالد رضی اللہ عنہ نے محض ذاتی عداوت سے قتل کر دیا۔ دربار خلافت تک اس کی اطلاع پہنچی تو اس غلطی پر حضرت خالد رضی اللہ عنہ سخت مورد عتاب ہوئے۔ لیکن وہ جو کام کر رہے تھے۔ اس کے لئے کوئی دوسرا ان سے موزوں نہ تھا۔ اس لیے اپنے عہدہ پر برقرار رکھے گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ اور احتساب:-

وہ اپنے ہر عامل سے عہد لیتے تھے۔ کہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہو گا۔ باریک کپڑا نہ پہنے گا۔ چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا۔ دروازہ پر دربان نہ رکھے گا۔ اہل حاجت کے لئے دروازہ ہمیشہ کھلا رکھے گا۔ اسی کے ساتھ ان کے مال و اسباب کی فہرست تیار کرا کے محفوظ رکھتے تھے۔ اور جب کسی عامل کی مالی حالت میں غیر معمولی اضافہ کا علم ہوتا تھا۔ تو جائزہ لے کر آدھا مال بٹا لیتے تھے۔ اور بیت المال میں داخل کر دیتے تھے۔ ایک دفعہ بہت سے عمال اس بلا میں مبتلا ہوئے۔ خالد بن صعق نے اشعار کے ذریعہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی۔ انہوں نے سب کی املاک کا جائزہ لے کر آدھا آدھا مال بٹا لیا اور بیت المال میں داخل کر لیا۔ موسم حج میں اعلان عام تھا کہ جس عامل سے کسی کو شکایت ہو وہ فوراً بارگاہ خلافت میں پیش

کریں۔ چنانچہ ذرا ذرا سی شکایتیں پیش ہوتی تھیں۔ اور تحقیقات کے بعد اس کا تدارک کیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ ایک شخص نے شکایت کی، کہ آپ کے عامل نے مجھ کو بے قصور کوڑے مارے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مستغیث کو حکم دیا کہ وہ مجمع عام میں اس عامل کو سو کوڑے لگائے۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے التجاء کی کہ عمال پر یہ امر گراں ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ نہیں ہوسکتا۔ کہ میں ملزم سے انتقام نہ لوں۔ البتہ تم اس کو راضی کرلو۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے منت سماجت کر کے مستغیث کو راضی کیا۔ کہ ایک ایک تازیانے کے عوض دو دو اشرفیاں لے کر اپنے حق سے باز آئے۔

آپ نے یہ قاعدہ مقرر کر رکھا تھا۔ کہ قاضی صرف دولت مند اور معزز آدمی ہی کو بنایا جائے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو آپ نے ایک خط لکھا تھا۔ جس میں اس قاعدے کی وجہ یہ بیان کی تھی۔ کہ کمزور اور غریب آدمی انصاف ٹھیک طور پر نہیں کرسکے گا۔ بلکہ رشوت کا طالب رہے گا۔ اسی طرح وہ دوسرے بڑے بڑے لوگوں کے رعب وداب میں بھی آسکے گا۔ اور بڑے آدمی اپنے رعب وداب اور اثر ورسوخ سے کام لے کر اپنے حسب مرضی فیصلہ کروا سکیں گے۔ لیکن اس کے برخلاف امیر اور معزز آدمی رشوت کا طالب نہیں ہوگا۔ اور نہ کسی کا رعب اور اثر قبول کرسکے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سفارش کو سختی سے ناپسند فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کے ایک غلام نے آپ سے ایک شخص کی سفارش کی۔ اور کہا کہ آپ عامل عراق کو لکھ دیجئے کہ جب یہ شخص ان کے پاس پہنچے تو وہ اس کی عزت وتکریم کریں۔ اور اس کا خاص خیال رکھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے جھڑک دیا اور فرمایا:

کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اس شخص کے واسطے دوسرے لوگوں پر ظلم کیا جائے۔ حالانکہ یہ بھی دوسری مسلمانوں کی طرح ایک مسلمان ہے۔ اور اس کا حق بھی اتنا ہی ہے۔ جتنا کہ دوسرے مسلمانوں کا۔

ایک سال ملک میں بہت بڑا زبردست قحط پڑا۔ آپ نے اس دوران میں اپنی خوارک انتہائی کم کردی تھی۔ کئی روایات میں آتا ہے۔ کہ جب تک قحط ختم نہ ہوگیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نہ کوئی لذیذ چیز کھائی نہ شہد چکھا اور نہ گوشت اپنے منہ میں ڈالا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ کہ قحط کے سال آپ نے اپنے اوپر گھی حرام کرلیا تھا۔ صرف زیتون کا تیل استعمال فرماتے تھے۔ لوگوں کی تکالیف نے آپ کو اس حد تک بے چین کر رکھا تھا کہ کھانے پینے کا سامان خود اپنی پیٹھ پر رکھ کر غریبوں کے گھروں تک جاتے تھے۔ اور انہیں تقسیم کرتے تھے۔

عیاض بن خلیفہ کہتے ہے کہ میں نے قحط کے سال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ کا رنگ سیاہ پڑ گیا تھا۔ حالانکہ اس سے پہلے آپ سرخ وسفید تھے۔ لوگوں نے عیاض سے اس تبدیلی کا سبب پوچھا تو انہوں نے بتلایا کہ پہلے وہ گھی اور دودھ استعمال کیا کرتے تھے۔ لیکن جب قحط پڑ گیا تو آپ نے یہ تمام چیزیں ترک کردیں۔ اور محض زیتون کے تیل پر گزارہ کرنے لگے۔ کئی کئی وقت تک آپ

کھانا بھی نہیں کھاتے تھے۔اس لئے آپ کا رنگ تبدیل ہو گیا ہے۔اور صحت خراب ہو گئی ہے۔
کئی لوگوں کی روایت ہیں۔کہ خداوند تعالیٰ اگر قحط دور نہ کرتے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ضرور اس فکر اور پریشانی کی وجہ سے اپنی جان دے دیتے۔

اس قحط کے زمانے میں ایک دفعہ آپ نے اپنے ایک لڑکے کے ہاتھ میں تربوز دیکھا۔جھٹ وہ تربوز اس کے ہاتھ سے لے لیا اور فرمایا: تم پھل کھاتے ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی امت بھوک مر رہی ہیں۔بچہ روتا ہوا باہر چلا گیا۔آپ نے پتہ کیا۔لڑکے کو تربوز کہاں سے ملا ہے۔؟ تو معلوم ہوا کہ اس نے کھجوروں کو بیچ کر ان کے بدلے یہ تربوز لیا تھا۔

قحط کے زمانے میں آپ روزانہ اپنے دستر خوان پر کئی ہزار لوگوں کو کھانا کھلایا کرتے تھے۔اپاہج مریض اور بچے جو آپ کے پاس نہیں آسکتے تھے۔ان کو کھانا ان کے گھر بھیجا کرتے تھے۔ایسے لوگوں کی تعداد تقریباً چار ہزار تھی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

"میں ایک دفعہ صبح کے وقت اپنے والد کے ساتھ تھا۔ہم دونوں سوار تھے۔ہم نے ایک آدمی کو دیکھا کہ ہماری طرف آرہا ہے۔ہمارے قریب پہنچ کر وہ رونے لگا۔والد صاحب نے اس سے پوچھا روتے کیوں ہو؟ اگر تم کسی بوجھ کے نیچے دبے ہوئے ہو تو ہم تمہاری مدد کرینگے۔اگر خوف زدہ ہو تو تمھیں امن دینگے۔البتہ اگر تم نے کسی کو قتل کیا ہے۔تو اس کے بدلے تمھیں قتل کیا جائے گا۔اگر تم کسی جگہ رہنا نہیں چاہتے تو ہم تمھیں دوسری جگہ آباد کر دینگے۔اس نے عرض کیا میں بنی تمیم میں سے ہوں میں نے شراب پی تھی۔اس کی سزا میں آپ کے عامل ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے مجھے کوڑے مارے۔میرا منہ کالا کر دیا۔اور مجھے لوگوں کے درمیان گشت کرایا۔اور انہیں حکم دیا کہ خبردار کوئی آدمی اس سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھے۔نہ اپنے ساتھ بٹھائے نہ کھانے پینے میں اپنے ساتھ شریک کرے۔اس پر میں نے اپنے دل میں تین باتیں سوچیں۔یا تو تلوار لے کر ابو موسیٰ کا خاتمہ کر دوں۔یا شام چلا جاؤں۔جہاں کوئی شخص مجھے نہیں جانتا۔یا دشمن کے ساتھ مل جاؤں۔اور ان کے ساتھ کھاؤں پیوں مزے اڑاؤں۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر رو پڑے اور فرمایا!

شراب پینا ایک نہایت قبیح فعل ہے۔اور ایک مسلمان کو ہرگز زیب نہیں دیتا کہ وہ شراب پیئے۔لیکن یہ زنا کی طرح نہیں ہے۔آپ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو خط لکھا جس میں تحریر کیا کہ مجھے فلاں شخص کی زبانی اس بات کا پتہ چلا ہے۔خدا کی قسم اگر تم نے دوبارہ ایسا فعل کیا تو تمھارا منہ کالا کرا کے تمام شہر میں پھراؤنگا۔لوگوں سے کہہ دو کہ وہ اس شخص سے برابر میل جول رکھیں۔اور اگر یہ شخص توبہ کرے تو اس کی شہادت بھی قبول کیا کرو۔خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو دو سو درہم دیئے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں ایک محل تعمیر کرایا جس میں ڈیوڑھی بھی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس خیال سے کہ اس سے اہل حاجت کو رکاوٹ ہوگا۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ جا کر ڈیوڑھی میں آگ لگا دیں۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل ہوئی۔ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ خاموشی سے دیکھتے رہے۔

عیاض بن غنم عامل مصر کی بہت شکایت پہنچی۔ کہ وہ باریک کپڑے پہنتے ہیں۔ اور ان کے دروازہ پر دربان مقرر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو تحقیقات پر مامور کیا۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے مصر پہنچ کر دیکھا تو واقعی دروازہ پر دربان تھا۔ اور عیاض باریک کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ اسی ہیئت اور لباس میں ساتھ لیکر مدینہ آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا باریک کپڑا اتروادیا۔ اور بالوں کا کرتہ پہنا کر جنگل میں بکریاں چرانے کا حکم دیا۔ عیاض رضی اللہ عنہ کو انکار کی مجال نہ تھی۔ مگر بار بار کہتے تھے۔ اس سے مرجانا بہتر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ تمھارا آبائی پیشہ ہے۔ اس میں عار کیا ہے؟ عیاض رضی اللہ عنہ نے دل سے توبہ کی اور جب تک زندہ رہے اپنے فرائض نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے۔

حکام کے علاوہ عام مسلمانوں کی اخلاق اور مذہبی نگرانی کا خاص اہتمام تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس طرح خود اسلامی اخلاق کا مجسم نمونہ تھے۔ چاہتے تھے۔ کہ اسی طرح تمام قوم مکارم اخلاق سے آراستہ ہوجائے۔ انہوں نے عرب جیسی فخار قوم سے فخر وغرور کی تمام علامتیں مٹادیں۔ یہاں تک کہ آقا اور نوکر کی تمیز باقی نہ رہنے دی۔ ایک دن صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ نے ان کے سامنے ایک خوان پیش کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فقیروں اور غلاموں کو ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا۔ اور فرمایا کہ خدا ان لوگوں پر لعنت کرے، جن کو غلاموں کے ساتھ کھانے میں عار آتا ہے۔

یسار بن غیر روایت کرتے ہیں۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کبھی چھنا ہوا آٹا استعمال نہیں فرمایا:

سائب بن یزید کہتے ہیں:

میں نے قحط کے سال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا آپ کے لباس میں سولہ پیوند لگے ہوئے تھے۔ اسی طرح حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن مالک بھی بیان کرتے ہیں۔ کہ خلافت کے زمانے میں میں نے ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس حالت میں دیکھا کہ آپ کی قمیص میں دونوں کندھوں کے درمیان تین پیوند اوپر تلے لگے ہوئے تھے۔

ابوعثمان نہدی روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی قمیص پر چمڑے کا پیوند لگا رکھا تھا۔ جمعہ کی نماز کا وقت تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ دیر تک مسجد میں تشریف نہ لائے۔ جب آئے تو منبر پر چڑھ کر فرمایا۔ میں اپنی قمیص کو پیوند لگانے میں مصروف تھا کیونکہ میرے پاس اور کوئی قمیص نہیں تھی۔

عامر بن عبیدہ باہلی کہتے ہیں۔

میں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن مالک سے اونی کپڑوں کے بارہ میں پوچھا انہوں نے جواب دیا:
رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے تمام صحابہ رضی اللہ عنہ نے اونی کپڑے پہنے ہیں۔ صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اور ابن عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں کبھی استعمال نہیں فرمایا۔
جب بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ امیر المومنین جو رقم اپنے گزارہ کے لئے بیت المال سے لیتے ہیں۔ وہ آپ کی ضروریات کو بھی کافی نہیں ہوتی اور آپ رضی اللہ عنہ بہت تکلیف دہ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ تو باہم مشورہ کر کے ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (جو آپ کی صاحبزادی تھیں) کے پاس آئے اور ان سے کہا!
آپ امیر المومنین سے عرض کریں۔ کہ وہ اس تکلیف دہ زندگی جو انہوں نے خود اپنے لئے اختیار کر رکھی ہے۔ ترک کر دیں۔
چنانچہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا آپ کے پاس آئیں اور صحابہ کی بات آپ کے سامنے دہرا دی۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسا کرنے سے سختی سے انکار کر دیا۔ اور ان لوگوں کے نام پوچھے۔ جنہوں نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو یہ صلاح دی تھی۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے ان لوگوں کے نام بتانے سے انکار کر دیا گر وہ بتا دیتیں تو ضرور حضرت عمر رضی اللہ عنہ انہیں سزا دیتے۔
امیر المومنین نے اپنی بیٹی سے پوچھا:
رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم زیادہ سے زیادہ کتنے کپڑے پہنتے تھے؟
حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا! دو کپڑے جو آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کسی وفد کے آنے یا کسی تقریب کے موقع پر پہنتے تھے۔ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے کھانے کے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواب دیا۔ کہ آپ کی خوراک انتہائی سادہ ہوتی تھی۔ اور پھر آپ نے رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے بستر کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا بستر کھردار ہوتا تھا
اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا: ان لوگوں کو جو تمہارے پاس آئے تھے۔ یہ بتلا دینا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سیرت پر چلوں گا میری اور میرے پیش رو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی مثال ان تینوں آدمیوں کی ہے جنہوں نے ایک راستہ پر سفر کرنا شروع کیا سب سے پہلا شخص چلا کچھ زاد راہ لی اور اپنی منزل پر پہنچ گیا۔ اس کے پیچھے دوسرا شخص چلا اور وہی راہ اختیار کی جو پہلے نے کی تھی۔ چنانچہ وہ بھی صحیح سلامت منزل مقصود پر پہنچ گیا اور ان دونوں کے پیچھے تیسرا شخص چلا۔ اگر وہ ان دونوں کی راہ اختیار کرے گا تو ان تک پہنچ جائے گا اور اپنی منزل مقصود کو پالے گا۔ لیکن اگر دونوں کے راستہ کے خلاف کوئی اور راستہ اختیار کرے گا تو کبھی منزل مقصود کو نہیں پاسکے گا۔

(جاری ہے)

خود انحصاری کی طرف ایک اور قدم
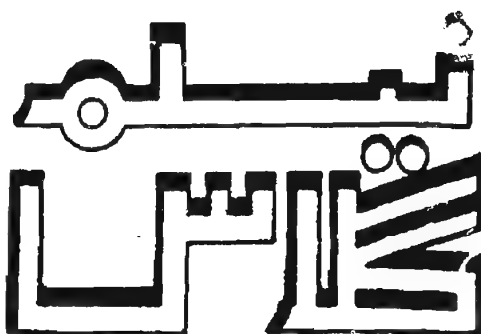
رنگین شیشہ (Tinted Glass)

باہر سے منگانے کی ضرورت نہیں۔

چینی ماہرین کی نگرانی میں اب ہم نے رنگین عمارتی شیشہ (Tinted Glass)
بنانا شروع کر دیا ہے۔

دیدہ زیب اور دھوپ سے بچانے والا **نیلم** کا (Tinted Glass)

نیلم گلاس انڈسٹریز لمیٹڈ

ورکس، شاہراہِ پاکستان حسن ابدال۔ فون: 563998 - 509 (05772)

سیکنڈری آفس، ۲۸۴-بی راجہ اکرم روڈ، راولپنڈی فون: 568998 - 1908

رجسٹرڈ آفس، ۱۷-جی گلبرگ II، لاہور فون: 8640-871417

علامہ اقبال کی علمی جستجو

مولانا حبیب ریحان ندوی (حصہ دوم)

"مولانا حکیم برکات احمد صاحب بہاری ثم ٹونکی کا رسالہ تحقیق زمان مطبوعہ ہے یا قلمی؟ اگر قلمی ہے تو کہاں سے عاریتاً ملے گا۔ علی ہذا القیاس مولانا شاہ اسماعیل کی عبقات، قاضی محب اللہ کی جواہر الفرد اور حافظ امان اللہ بنارسی کی تمام تصانیف کہاں سے دستیاب ہونگی، جن کتابوں کا آپ نے اپنے والانامہ میں ذکر فرمایا ہے۔ کیا آپ کے کتب خانہ دارالمصنفین میں موجود ہیں؟ اگر ہوں تو میں چند روز کیلئے وہیں حاضر ہوجاؤں اور آپ کی مدد سے ان میں سے بعض کو دیکھ سکوں۔۔۔۔حضرت ابن عربی کی بحث زمان کا ملخص اگر عطا ہوجائے تو بہت عنایت ہوگی (۱۲ اگست ۱۹۲۲ء)"

"مسلمانوں نے منطق استقرائی پر جو کچھ لکھا ہے۔اور جو اضافے انہوں نے یونانیوں کی منطق پر کیئے ہیں اس کے متعلق میں کچھ تحقیق کر رہا ہوں میں آپ کا نہایت شکر گزار ہونگا اگر از راہ عنایت اپنی وسیع معلومات سے مجھے مستفیض فرمائیں کم از کم ان مقالوں کے نام تحریر فرمائیے جن کو پڑھنا ضروری ہے۔ ۔۔۔(یکم فروری ۱۹۳۴ء)

مردان خدا خدا نہ باشند لیکن ز خدا جدا نہ باشند

کس کا شعر ہے۔؟ ایک امر کیلئے اس کی تحقیق ضروری ہے۔ ممکن ہے آپ کی نظر سے کسی تذکرہ میں یہ شعر گذرا ہو (۱۳ اگست ۱۹۲۲ء)

ڈاکٹر صاحب نے امامت و خلافت، اجتہاد اور طلاق کے مسئلہ پر پہلے سوال کیئے تھے اب مزید نظام عالم کی تشکیل جدید میں اسلام کیا مدد کر سکتا ہے، احکام منصوصہ میں امام کو توسیعی اختیارات ہیں یا نہیں اور زمین کی ملکیت کس کی ہے، وغیرہ سے متعلق استفسارات پیش ہیں۔

"دنیا اس وقت عجیب کشمکش میں ہے۔۔۔۔نظام عالم ایک نئی تشکیل کا محتاج ہے۔ان حالات میں آپ کے خیال میں اسلام اس جدید تشکیل کا کہاں تک ممد ہوسکتا ہے۔اس مبحث پر اپنے خیالات سے مستفیض فرمائیے" (۱۵ جنوری ۱۹۳۴ء)

"احکام منصوصہ میں توسیع اختیارات امام کے اصول کیا ہیں؟ اگر امام توسیع کر سکتا ہے تو کیا ان کے عمل کو محدود بھی کر سکتا ہے؟ اس کی کوئی تاریخی مثال ہو تو واضح فرمائیے

زمین کا مالک قرآن کے نزدیک کون ہے؟۔۔۔اگر کوئی اسلامی ملک (روس کی طرح) زمین کو حکومت کی ملکیت قرار دے تو کیا یہ بات شرع اسلامی کے موافق ہوگی یا مخالف؟ اس مسئلہ کا سیاست اور اجتماع معاشرت سے گہرا تعلق ہے۔ کیا یہ بات بھی رائے امام کے سپرد ہوگی، صدقات کی کتنی قسمیں اسلام

میں ہیں؟صدقہ اور خیرات میں کیا فرق ہے۔؟۔۔(یکم فروری ۱۹۲۴ء)

"کیا روسی مسلمانوں میں بھی ابن تیمیہ اور محمد بن عبد الوہاب نجدی کے حالات کی اشاعت ہوئی تھی؟اس کے متعلق آگاہی کی ضرورت ہے۔مفتی عالم جان جن کا حال میں انتقال ہو گیا ہے۔ان کی تحریک کی اصل غایت کیا تھی؟ کیا یہ محض تعلیمی تحریک تھی یا اس کا مقصود ایک مذہبی انقلاب بھی تھا؟۔ تکلیف دہی کیلئے معافی چاہتا ہوں اور یہ بھی التماس کرتا ہوں کہ اس عریضہ کا جواب جہاں تک ممکن ہو جلد دیجئے"
(یکم مئی ۱۹۲۴ء)

"کیا روسی مسلمانوں میں بھی ابن تیمیہ اور محمد بن عبد الوہاب نجدی کے حالات کی اشاعت ہوئی تھی؟اس کے متعلق آگاہی کی ضرورت ہے۔مفتی عالم جان جن کا حال میں انتقال ہو گیا ہے۔ان کی تحریک کی اصل غایت کیا تھی؟ کیا یہ محض تعلیمی تحریک تھی یا اس کا مقصود ایک مذہبی انقلاب بھی تھا؟۔ تکلیف دہی کیلئے معافی چاہتا ہوں اور یہ بھی التماس کرتا ہوں کہ اس عریضہ کا جواب جہاں تک ممکن ہو جلد دیجئے"
(یکم مئی ۱۹۲۴ء)

"حال میں امریکہ کی مشہور یونیورسٹی کولمبیا نے ایک کتاب شائع کی ہے جس کا نام "مسلمانوں کے نظریہ متعلقہ مالیات" ہے۔اس کتاب میں لکھا ہے، اجماع امت نص قرآنی کو منسوخ کرسکتا ہے۔۔۔۔اب یہ امر دریافت طلب ہے۔ کہ آیا مسلمانوں کے فقہی لٹریچر میں کوئی ایسا حوالہ موجود ہے؟" (۸۔اگست ۱۹۲۴ء)

"آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ فقہاء نے اجماع سے نص کی تخصیص جائز رکھی ہے۔ایسی تخصیص یا تعمیم کی مثال اگر کوئی ہے تو اس سے آگاہ فرمائیے اس کے علاوہ یہ بھی معلوم کرنا ضروری ہے کہ ایسی تخصیص یا تعمیم صرف اجماع صحابہ ہی کر سکتا ہے یا علماء مجتہدین امت بھی کر سکتے ہیں۔۔۔ کوئی حکم ایسا بھی ہے جو صحابہ نے نص قرآن کے خلاف نافذ کیا ہو اور وہ کونسا حکم ہے"(۲۷۔اگست ۱۹۲۴ء)

"آپ نے کسی گذشتہ خط میں مجھے لکھا تھا کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو آپ بعض دفعہ وحی کا انتظار فرماتے۔اگر وحی نازل ہوتی تو اس کے مطابق مسائل کا جواب دیتے اور اگر وحی کا نزول نہ ہوتا تو قرآن شریف کی کسی آیت سے استدلال فرماتے۔اس کا حوالہ کونسی کتاب میں ملے گا؟ کیا یہ قاضی شوکانی کی کتاب ارشاد الفحول سے آپ نے لیا ہے؟" (۱۶۔اکتوبر ۱۹۲۴ء)

"آیہ ، توریث میں حصص بھی ازلی ابدی ہیں یا قاعدہ توریث میں جو اصول مضمر ہے صرف وہی ناقابل تبدیل ہے،اور حصص میں حالات کے مطابق تبدیلی ہوسکتی ہے۔ آیہ، وصیت پر بھی جو ارشادات ہیں میری سمجھ میں نہیں آئے اس زحمت کیلئے معافی چاہتا ہوں جب فرصت ملے جزئیات سے بھی آگاہ فرمائیے اس احسان کیلئے ہمیشہ شکر گزار ہونگا"(۸۔مارچ ۱۹۲۶ء)

ان استفسارات کے جوابات سید صاحب برابر دیتے رہے۔جن کا اظہار سید صاحب کے بعض خطوط سے بھی ہوتا ہے۔

"آپ کا نوازش نامہ قوت روح اور اطمینان قلب کا باعث ہے"(۱۳۔نومبر ۱۹۲۷ء)

"آپ کا نوازش نامہ ابھی ملا ہے جس کے لئے بہت شکر گزار ہوں جتنی آگاہی آپ نے دے دی ہے وہ اگر زمانہ فرصت دے تو باقی عمر کیلئے کافی ہے۔"(۲۲۔اگست ۱۹۲۴ء)

"نوازش نامہ معلومات سے لبریز ہے، نہایت شکر گزار ہوں" (یکم فروری ۱۹۲۴ء)
"آپ اپنے نوازش نامہ کی طوالت کی عذرخواہی کرتے ہیں مگر میرے لئے یہ طویل خط باعث خیر و برکت ہے اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے میں نے اسے کئی دفعہ پڑھا ہے اور گذشتہ رات چودھری غلام رسول مہر سے بھی پڑھوا کر سنا اور احباب بھی اس مجلس میں شریک تھے اگر میری نظر اس قدر وسیع ہوتی جس قدر آپ کی ہے تو مجھے یقین ہے کہ میں اسلام کی کچھ خدمت کر سکتا" (۲۴-اپریل ۱۹۲۶ء)
لیکن ان خطوط کی نقلیں دارالمصنفین کے کتب خانہ اور اوراق میں نہیں ملتیں، ورنہ اب تک منظر عام پر آجاتیں، صباح الدین صاحب کا خیال ہے کہ وہ محفوظ نہیں ہیں، شاید ڈاکٹر صاحب کے کاغذات میں ہوں راقم کا خیال ہے کہ وہ ضائع ہوگئے۔ اگر یہ خیال درست ہے تو یہ علم و تحقیق کی زبردست تباہی کے مترادف ہے۔ راقم اقبال کے عزیز فرزند جناب ڈاکٹر جاوید اقبال صاحب سے پر زور اپیل کرتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے کاغذات کا از سر نو جائزہ لیں شاید گنجینۂ معانی دریافت ہوسکے۔

ان استفسارات میں جو تنوع پایا جاتا ہے اس کا اندازہ ہر پڑھنے والا لگا سکتا ہے۔ راقم یہ بھی کہے گا کہ یہ استفسارات صرف علامہ اقبال کے استفسارات ہی نہیں تھے بلکہ فقہی و اجتہادی سوالات موجودہ دور کے اکثر تعلیم یافتہ حضرات کے ذہنوں میں آتے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے ان سوالات کے جوابات یا توضیح کے لئے علماء فن تیار ہوں اور جب یہ سوالات ظاہر ہوچکے ہیں تو ان کے علمی، منطقی اور استدلالی جوابات کتاب و سنت اور عقل و شرع کی روشنی میں ظاہر کیئے جائیں اور یہ انتہائی مفید کام ہوگا

شاعر اور فلسفی

ڈاکٹر اقبال کی شاعری، فلسفہ و نظریات اور متنوع خیالات پر مختصر مطالعہ اور محدود وقت میں کوئی قطعی فیصلہ کرنے کا میں اپنے آپ کو مجاز نہیں سمجھتا، لیکن اقبال کو سمجھنے کے لئے میرے ناقص رائے میں ان کی شاعری اور فلسفے کی نوعیت کو سمجھنا ضروری ہے۔ وہ ایک شاعر بھی ہیں اور فلسفی بھی، شاعرانہ نزاکتیں، شاعرانہ اسلوب بیان مجاز و حقیقت کی ترجمانی اور الفاظ و معانی کی کیفیات ایک خاص رنگ رکھتی ہیں اور فلسفہ کی نکتہ سنجیاں اور گتھیاں ایک دوسرے انداز بیان اور آہنگ کی محتاج ہیں۔ ڈاکٹر اقبال کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے فلسفیانہ مسائل کو شعر کی زبان میں نہایت کامیاب طریقہ سے منتقل کیا ہے۔ ان کے الفاظ، ترکیبوں اور بعض جزئی لغوی و لسانی استعمالات پر تنقید ممکن بھی ہے اور ہوئی بھی ہے لیکن بحیثیت مجموعی وہ ان دونوں وادیوں سے کامیاب و کامران شہسوار بن کر نکلے ہیں

فلسفہ میرے آب و گل میں ۔۔۔ پوشیدہ ہے ریشہ ہائے دل میں
اقبال اگرچہ بے ہنر ہے ۔۔۔ اس کی رگ رگ سے باخبر ہے

شاعری کا مقصد

اقبال کی شاعری کو سمجھنے کیلئے سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ ان کی شاعری کا مقصد کیا ہے۔؟ ان

ن شاعری دراصل ایک پیغام ہے بنی نوع انسان کے لئے۔ وہ اپنے مذہبی ماحول، کائنات کے طویل فطری مشاہدے، زمان ومکان کے تصورات اور فلسفہ ومذہب کے عمیق مطالعہ سے اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ کائنات کا یہ وجود خدا کی ذات با وجود کی حرکت فاعلہ کا نتیجہ ہے اور اس کے امر تکوینی ومشیئت کے مظہر لفظ "کن" سے کون ومکان وجود میں آیا ہے۔ اور کائنات کے ہر ذرہ کا تعلق مربوط ومستحکم بنیادوں پر قائم ہے۔ اور ابن آدم اس کائنات کا سرتاج ہے اور تمیر کائنات کی عظیم ذمہ داری اسے سونپی گئی ہے جس کا نام "امانت" اور "خلافت" ہے۔

اس لئے انسانیت کو ان آفاقی تعلیمات کی ضرورت ہے، جو زمان ومکان، رنگ ونسل اور قوم ووطن کے تنگ دائروں میں محصور نہ ہو۔ جہاں انسانی حقوق وواجبات اور امیر وغریب کے تمام امتیازات اور فوقیت وفضیلت کا معیار نہ ہوں بلکہ یقین کی پختگی، کردار کی بلندی اور حسن عمل ہی انسانوں کیلئے اصل نمونہ اور اسوہ ہو۔

علم وفلسفہ کے مطالعہ کے ساتھ ان کے جذبات میں تلاطم پیدا ہوتا چلا گیا اور وہ ایک منصف محقق کی طرح اس تلاش میں مصروف رہے کہ ان کا یہ آئیڈیل نظریہ کہاں پایا جاتا ہے۔

وہ ایک زمیندار گھرانہ کے چشم وچراغ تھے، اسلام پر ان کو مومنانہ یقین تھا اس کے ساتھ علم کے جویا تھے، اور انتہائی عالمانہ تجسس اور محققانہ نزاہت کے ساتھ انہوں نے علوم ومعرفت کے تمام قدیم وجدید سرچشموں سے سیرابی حاصل کی، انہوں نے قدیم ہندوستانی، یونانی، اور رومن فلسفوں اور الٰہیات کا مطالعہ کیا، اسلام کے مطالعہ میں بھی انہوں نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ پھر یورپ کے تمام جدید فلاسفہ اور شعراء کا عمیق مطالعہ کیا اور اپنے مشاہدات وتجربات کا نچوڑ قوم کے سامنے اس طرح پیش کیا

یہ دور اپنے ابراہیم کی تلاش میں ہے، صنم کدہ ہے جہاں لا الہ الا اللہ

فکری ارتقاء۔

نظم ونثر دونوں میں انہوں نے اپنے نظریات نشر کیئے عمر کی ترقی، ماحول کی تبدیلی، مطالعہ کی زیادتی، فکری ارتقاء وغیرہ کے تمام مراحل سے گذرتے ہوئے ان کی آراء میں بعض مواقع پر بظاہر تضاد بھی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن یہ ان کے تاریخی تجربات اور گہری سوچ کا نتیجہ ہے۔ لیکن بہر حال ایسی آراء بہت کم ہیں اور جن چیزوں میں بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے وہ غور کرنے سے مربوط کی جا سکتی ہیں۔ اور اگر یہ تضاد باقی رہے تو بھی اس میں اقبال کے مقام عظمت ورفعت کے لئے کوئی خطرہ نہیں ہے۔

قرآن پر مستحکم یقین۔

یہ حقیقت ہے کہ اقبال کتاب اللہ قرآن پر مستحکم یقین رکھتے ہیں۔ اور اس کو اقوام عالم کی تمام بیماریوں کا کامل علاج سمجھتے ہیں۔

وہی دیرینہ بیماری وہی نامحکمی دل کی علاج اس کا وہی آب نشاط انگیز ہے ساقی

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے بے پناہ محبت وعقیدت رکھتے ہیں اور اسلام کے کلی نظام کے اجتماعی وسیاسی ومادی فوائد کے وہ قائل ہیں۔

وہ صوفیانہ مزاج رکھنے کے باوجود بعض اوقات تصوف پر سخت تنقید بھی کرتے ہیں لیکن ان کی یہ تنقید اسلامی تزکیہ واحسان پر نہیں ہوتی بلکہ اس عجمی تصوف پر ہوتی ہے جو کتاب وسنت کی تعلیمات سے دور ہے۔اور عجیب وغریب اصطلاحات اور غموض واسرار کا حامل ہے۔جو لوگوں کو غلامی کی تعلیم دیتا ہے،دنیا سے کنارہ کشی پر ابھارتا ہے اور بدعات کا دروازہ کھولتا ہے اور دن کی روشنی کی طرح واضح دین اسلام کو پیچیدگیوں اور طلسم بندیوں کا دین بنادیتا ہے اور ظاہر شریعت سے دور ہوتا جاتا ہے اور افراد کے ذاتی تجربات اور آراء واعمال کا تابع بناتا ہے۔

وہ مولوی ملا پر بھی جب تنقید کرتا ہے تو اس سے مراد وہی ملا ہوتے ہیں جو شریعت کے حدود سے تجاوز کرتے ہیں۔مذہب کے نام پر حصول منافع کا کاروبار کرتے ہیں،تکفیر وتفسیق ان کا محبوب مشغلہ ہوتا ہے ملادینی اور لاطائل بحثوں میں الجھے رہتے ھیں۔اور عصر حاضر کے جدید رجحانات کی موجودگی میں ان کا اسلامی حل تلاش نہیں کرتے اور کتاب اللہ کی تاویلات باطلہ کے ذریعے اس کے معانی میں تحریف کے مرتکب ہوتے ہیں۔ورنہ اقبال عصر حاضر کے دانشوروں میں پہلے شخص ہیں جو علماء حق کا حد درجہ احترام کرتے ہیں۔اور علماء کو ہمیشہ اسلام کے لئے قوت عظیم کا سرچشمہ سمجھتے ہیں۔وہ ابن تیمیہ،شیخ احمد سرہندی اور شاہ ولی اللہ وغیرہ کے قائل ہیں۔جمال الدین افغانی کو عصر حاضر کا مجدد مانتے ھیں،شبلی وسلیمان ندوی کے مقام بلند کے معترف ہیں۔

اسلام عصر حاضر کا مذہب

اقبال اسلام کو عصر حاضر کا مذہب سمجھتے تھے۔

قسمت عالم کا مومن کو کب تابندہ ہے　　جس کی تابانی سے افسون سحر شرمندہ ہے

اور انھوں نے اسلام کی جامع ومحکم عالمی تعلیمات کو اپنے انداز میں عصر حاضر کی زبان میں پیش کر دیا۔

اسلام پر ان کا اعتماد جاہلانہ یا تقلیدانہ نہیں ہے بلکہ مجتہدانہ ہے اور انہوں نے دنیا جہاں کے تمام قدیم وجدید فلسفے مذاہب اور انسانی فلاح وبہبود کے نظریات کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد فیصلہ کیا ہے کہ اسلام ہی دنیا کے مصائب کا خاطر خواہ علاج پیش کر سکتا ہے۔

وطنیت،آفاقیت اور حجازیت

اس روشنی میں جب ان کی وطنیت،حجازیت،آفاقیت اور اسلامیت کا مطالعہ کیا جائے گا تو کسی قسم کی دشواری پیش نہیں آئے گی۔

یہ صحیح ہے کہ انھوں نے وطن کی محبت میں بے شمار نظمیں کہی ہیں لیکن کسی جگہ انھوں نے یہ نہیں کہا کہ دوسرے وطن والوں سے نفرت وتعصب کا انداز اختیار کرو بلکہ محبت وپیار کے نغموں سے وطن کی عظیم روایات کو باقی رکھو ان کے ابتدائی اشعار ملاحظہ ہوں۔

تشنۂ رنگ خصوصیت نہ ہو میری زبان　　　نوعِ انساں قوم ہو میری وطن میرا جہاں
آنکھ میری اور کے غم میں سرشک آباد ہو　　　امتیازِ ملت و آئیں سے دل آزاد ہو

دوسری جگہ کہتے ہیں۔

وطن کی فکر کر ناداں مصیبت آنے والی ہے
تیری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں
نہ سمجھوگے تو مٹ جاؤگے اے ہندوستاں والو
تمھاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

اس تباہی کا سبب دوسری جگہ بتاتے ہیں۔

شجر ہے فرقہ آرائی تعصب ہے ثمر اس کا
یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نکلواتا ہے آدم کو

پھر ترانہ ہندی میں بھی وطنیت کی صحیح تصویر اس طرح کھینچتے ہیں

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا　　　ہندی ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

وہ وطنیت کے اسی جذبے کے مخالف ہیں جو نفرت و تعصب سکھاتا ہے اور جس کی شورشوں کا صحیح اندازہ انھوں نے یورپ میں کیا جہاں خدائے واحد کی پرستش کے بجائے وطن کی زمین پوجی جاتی ہے۔

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے　　　جو پیرہن اسکا ہے وہ مذہب کا کفن ہے۔

حجازیت پر تنقید کیوں

بعض ناقدین سرزمین مقدس حجاز سے اقبال کی محبت اور عالم عرب سے ذہنی اور وجدانی تعلق کو وطن پرستی کے خلاف سمجھتے ہیں میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ وطن سے نفرت کیئے بغیر اگر دنیا کی کسی بھی زمین سے محبت لی جائے تو اس میں کونسی عقلی یا فلسفیانہ قباحت ہے۔

اس محبت کو فلسفہ حجازیت کے نام سے موسوم کر کے اس پر اعتراض کیا جاتا ہے۔اقبال کو یہ حق حاصل ہے کہ جس ماں باپ نے اس کو جنم دیا ہے ان سے محبت کرے،جس دھرتی پر وہ پروان چڑھا اور اس کا جسم خاکی پھلا پھولا وہ اس سے محبت کرے اسی طرح جس سرزمین رشک مہر وماہ وانجم سے روشنی کی وہ ضیا بار کرن نکلی جس نے اقبال کے روحانی وجود کو زندگی بخشی،اس کی زندگی کو رونق،اس کے دل کو ایمان کی روشنی،اس کے ذہن کو خدا اور خودی کا شعور اور اس کے پورے خاکی وجود کو نور کا پیکر بنا دیا،اقبال کو اس کا آزادانہ حق کیوں حاصل نہیں ہے کہ وہ اس سرزمین سے محبت کرے؟اس پر نظمیں لکھے اور اپنے عقیدت کے پھول نچھاور کرے؟-----آزادی کے اس دور میں کناڈا کے آبشار، آگرہ کے تاج محل،مصر کے اہرام،اجنتا کے کھنڈر،امریکہ کے پرشکوہ محلوں اور روس کے لینن گراڈ پر قصیدہ گوئی کا حق تو دیا جاسکتا ہے اور وہ آزاد خیالی کی نشانی کہی جاسکتی ہے۔تو کیا کعبہ دل، بیت معمور کی صفت بیان کرنا اور افضل البشر واکمل البشر کے مقدس شہر اور

مسجد کی تعریف وتوصیف اور دل کی مقناطیسی کشش کا اظہار کرنا آزادی کے خلاف اور رجعت پسندی کی علامت ہوسکتی ہے؟۔
پھر ہندوستان میں رہ کر یورپ، وامریکہ، چین اور روس کی تعریف اور وہاں کے نظریات کی ترویج کیوں وطن سے محبت کے خلاف نہیں ہوسکتی۔؟
اسلام عالمی آفاقیت کا دوسرا نام
اسی طرح ایک اور غلطی کی ترویج بھی کی جاتی رہی ہے کہ اقبال پہلے تو رنگ وملت و آئین کی تمیز کے خلاف تھے اور آفاقیت کے داعی تھے لیکن رجعت پسندی نے ان پر فتح پالی اور وہ مذہب اسلام کے تنگ دامن میں پناہ گزین ہوگئے۔
آزادئی رائے کے پیش نظر ہر ناقد کو اپنے مزاج کے مطابق سوچنے سمجھنے کا حق حاصل ہے اسی فطری حق کی وجہ سے ہمیں بھی اظہار خیال کی آزادی ہے۔
پہلی بات تو یہ ہے کہ شاعرانہ زبان وبیان اور فلسفی شاعر کے کلام کو سمجھنے کیلئے اپنے مزاج کی اپج کو قربان کرنا ضروری ہے۔ کیا ملت و آئین سے دستبردار ہونے کا مطلب اقبال یا کسی بھی صاحب فہم وادراک شخص کا یہ ہوسکتا ہے کہ کوئی ہندو رہے نہ مسلمان، نہ کوئی سکھ اور عیسائی اور تمام جنگلی جانور بن جائیں اور کسی آئین و قانون کے پابند نہ رہیں؟ جنگلوں تک میں ایک فطری قانون بقائے اصلح جاری ہے۔۔روس میں روسی قانون، چین میں چینی قانون اور ہندوستان میں ہندوستانی قانون ہی نافذ رہے گا۔ آئین سے دستبردار ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان ایک بے آئین و قانون درندے کی شکل اختیار کرلے۔
اس کا مطلب یہی ہوسکتا ہے کہ ملت، مذہبی و علاقائی قوانین میں گرفتار ہو کر تعصب میں نہ پڑ جائے اور آنکھوں پر ایسی پٹی نہ چڑھائے کہ اس سے زیادہ بہتر قانون سے نظر چرالے۔
یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ ساری دنیا کے لئے ایک ملت اور ایک قانون ہو جو منصف ہو، عادل ہو انسانی مساوات کا حامل ہو اور ہر دریا، ہر پہاڑ، اور زمین کی حد بندی کے ساتھ وہ بدلتا نہ ہو۔اقبال نے یقیناً اپنے پورے فلسفیانہ و عالمانہ تجربات اور دلائل سے اسلام کو ایک عادل و منصف مذہب پایا ہے۔ جس نے کالے وگورے اور رنگ ونسل کی تمیز کو اس طرح مٹا کر رکھ دیا ہے کہ تاریخ انسانیت، تاریخ ادیان اور عصر حاضر اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔
قدیم انسانی تاریخ ان کرداروں سے بھری ہوئی ہے۔اور دنیا کی تمام قدیم قوموں نے انسانی کرامت کا خون کیا ہے۔نسل، رنگ اور خود ساختہ قوانین کے بل بوتے پر غیر قوموں اور قبیلوں کے ساتھ جو ناانصافی، سفاکی، اور نابرابری کا سلوک کیا ہے اس کی داستان اتنی طویل ہے کہ پوری کتاب اس کیلئے ناکافی ہے۔
عصر حاضر کی پیشانی پر ترقی یافتہ ملکوں کی نسل پرستی اور عنصری تفریق و تمیز داغ بنی ہوئی ہے۔

امریکہ کے اصلی باشندوں کا استحصال جس طرح یورپین اقوام نے کیا ہے وہ عالم آشکارا ہے۔ آج بھی امریکہ کالے گورے کے عنصری جھگڑوں کی وجہ سے بدنام ہے۔اور پوری دنیا کی قوموں کی تباہی کے جہنمی منصوبے وہاں بنائے جاتے ہیں۔

سرخ انقلاب نے خون انسانی کو جس طرح ارزاں کیا ہے۔اور تعصب و نفرت کو جس طرح ارزاں کیا ہے۔اور تعصب و نفرت کا جس طرح بازارگرم کیا ہے اور آزادی کا جس طرح گلا گھونٹا ہے۔اور زیر دست اقوام کے ساتھ اپنی نسلی برتری قائم کرنے کیلئے جو ظلم روا رکھا ہے۔اس کی داستان سننے سے زمین کا جگر بھی شق ہوجاتا ہے۔ قدیم قوموں نے انسانوں کو ذاتوں میں تقسیم کر دیا تھا۔عبرانی قوم نے آسمانی ہدایات پاجانے کے بعد بھی نسلی پنداروں اور تفوق کو اپنی بنیاد بنایا تھا۔یورپ کا دین یعنی مسیحیت اپنے حلم و کرم عالمی محبت اور مساوات کی اقدار کا حامل دین سمجھا جاتا ہے اور اس کا ہر جگہ چرچا کیا جاتا ہے۔ کہ وہ انسانی دین ہے۔صرف ایک مثال کتاب مرقس بائبل سے پیش کی جاتی ہے، جس سے پتہ چل جاتا ہے کہ بنی اسرائیل کے گم کردہ راہ گروہ کے مقابلہ میں بھی ساری دوسری قومیں کتے کا درجہ رکھتی ہیں۔

"پھر یسوع وہاں سے نکل کر صور اور صیدا کے علاقہ کو روانہ ہوا۔اور دیکھو ایک کنعانی عورت ان سرحدوں سے نکلی اور پکار کر کہنے لگی اے خداوند ابن داؤد مجھ پر رحم کر۔ایک بدروح میری بیٹی کو بہت ستاتی ہے۔ مگر اس نے اسے کچھ جواب نہ دیا اور اسکے شاگردوں نے پاس آ کر اس سے عرض کی اسے رخصت کر دے۔ کیونکہ وہ ہمارے پیچھے چلاتی ہے۔اس نے جواب میں کہا میں اسرائیل کے گھرانہ کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا مگر اس نے آ کر اسے سجدہ کیا اور کہا اے خداوند میری مدد کر۔اس نے جواب دیا لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں کو ڈال دینا اچھا نہیں۔اس نے کہا ہاں خداوند کیونکہ کتے بھی ان ٹکڑوں میں سے کھاتے ہیں جو ان کے مالکوں کی میز پر سے گرتے ہیں۔اس پر یسوع نے جواب میں اسے کہا اے عورت تیرا ایمان بہت بڑا ہے۔جیسا تو چاہتی ہے تیرے لئے ویسا ہی ہو۔اور اس کی بیٹی نے اس گھڑی شفا پائی۔" (متی ۱۰-۲۱-۲۸)

مرقس نے بھی یہ قصہ ان الفاظ میں درج کیا ہے۔

فی الفور ایک عورت جس کی چھوٹی بیٹی میں ناپاک روح تھی اس کی خبر سن کر آئی اور اس کے قدموں پر گری۔یہ عورت یونانی تھی اور قوم کی سورفینیکی اس نے اس سے درخواست کی کہ بدروح کو اس کی بیٹی میں سے نکالے۔اس نے اس سے کہا پہلے لڑکوں کو سیر ہونے دے کیونکہ لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں کو ڈال دینا اچھا نہیں اس نے جواب میں کہا۔ہاں خداوند کتے بھی میز کے تلے لڑکوں کی روٹی کے ٹکڑوں میں سے کھاتے ہیں اس نے اس سے کہا اس کلام کی خاطر جا۔بدروح تیری بیٹی سے نکل گئی ہے۔(مرقس ۔۷۔۲۵۔۲۹)

اقبال نے انسانی تاریخ و کردار میں آفاقیت کی کوئی عملی مثال نہیں پائی۔ تنگ نظری،

تعصب نسل پرستی اور قوم پرستی کی وبا نے فطری مذاق میں ایک بگاڑ پیدا کر دیا۔ادیان عالم جو ہدایت و مساوات اور انسانی خدمت کیلئے ارسال کئے گئے تھے۔ان تک میں تحریف نے تمام بنیادی خرابیاں پیدا کر دی تھیں ۔اور پھر عصر حاضر کے جدید نظریات اور ان کی عملی شکلوں نے چنگیز و نیرو کی روح تک کو تڑپتا چھوڑ دیا اور ایسی عالمی ہلاکت کا دروازہ کھولا جس سے نجات کی کوئی راہ نہیں اس لئے اقبال جب آفاقیت سے اسلام کی طرف آتا ہے تو وہ رجعت پسند بنکر نہیں بلکہ جدت پسند اور حقیقت پسند بن کر آتا ہے اس نے اسلام میں کرامت بنی آدم کا جوہر پایا۔حبشہ روم ایران و عرب اور ساری زمین میں پھیلے ہوئے انسانوں کو جس مساوات کی ضرورت تھی وہ اسلام کے پیغام میں موجود تھی ۔اور پھر زبانی طور پر نہیں بلکہ تجرباتی اور واقعاتی انداز سے اسلام نے اقوام عالم کو اور تمام نسلوں اور رنگوں کو ایک متحدہ صف میں برابری کے ساتھ کھڑا کر دیا۔

اقبال کو فطری عقلی اور قانونی طور پر یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے مشاہدات اور تجربات کو بیلاگ طریقے پر واضح کرے آج مفکرین یورپ اپنے فلسفہ مادیت کو،اشراقی قومیں اپنے فلسفہ اشتراکیت کو آفاقیت کہہ کر اس کی مانگ کر رہی ہے تو کیا ان پر بھی یہ الزام لگایا جاسکتا ہے کہ وہ تمام دنیا کے نظاموں اور آئینوں کو ختم کر کے رجعت کا دروازہ کھول رہی ہیں۔

بقیہ جگر مراد آبادی

"سفر میں مصلی جگر مرحوم کے ساتھ رہتا تھا،جب بھی اللہ توفیق دیتا نماز یکسوئی کے ساتھ پڑھتے رکوع و سجود اور قیام و قعود میں خشیت جھلکتی تھی۔"(۱)

اب آخر میں شاہ معین الدین ندوی مرحوم کے خیالات بھی پڑھتے چلئے وہ تحریر کرتے ہیں:-

اخلاقی حیثیت سے بھی جگر اتنے شریف ،وضعدار،بلند نظر اور عالی ظرف انسان تھے۔ کہ اس دور کے شاعروں میں اس کی مثال ملنا مشکل ہے----ایک زمانہ میں جب جگر ایسی رند بلانوش رہے کہ انکو اپنا بھی ہوش نہیں رہتا تھا۔ لیکن دل انکا ہمیشہ مومن رہا اور ہر زمانہ میں وہ راسخ العقیدہ مسلمان رہے۔بزرگوں کی صحبت بھی پائی تھی،حضرت شاہ عبدالغنی صاحب منگلوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے----ادھر چند برسوں سے عملاً بھی دیندار ہو گئے تھے۔شراب مطلق چھوڑ دی تھی،فرائض کے پابند تھے،حج و زیارت سے بھی مشرف ہوئے،چہرہ پر شرعی نورانی داڑھی بھی تھی اسلئے عملی اعتبار سے بھی ان کی زندگی کا آخری دور بہت اچھا گزرا اور اس پر جمعہ کے مبارک دن صبح صادق کے وقت انکا خاتمہ ہوا۔جو انشاءاللہ ان کے حسن خاتمہ کی دلیل ہے۔(۲)

۱۔ ماہنامہ فاران کراچی،ص ۴۴ نومبر ۱۹۶۰ء

۲۔ ماہنامہ معارف اعظم گڑھ،شذرات ۱ اکتوبر ۱۹۶۰ء

قومی خدمت ایک عبادت ہے

اور

سروس انڈسٹریز اپنی صنعتی پیداوار کے ذریعے

سال ہا سال سے اس خدمت میں مصروف ہے

رئیس المتغزلین
جناب جگر مراد آبادی
اور ان کے مذہبی رجحانات

عبدالحئی فاروقی صدر شعبہ اسلامیات، جامعہ ہمدرد نئی دہلی

چند روز ہوئے ایک غیر ملکی رسالہ میں ایک مضمون نظر سے گزرا جس میں رئیس المتغزلین جناب جگر مراد آبادی (م ستمبر ۱۹۶۰ء) کے بارے میں کچھ غلط اور بے بنیاد باتیں ایک خاص مذہبی جذبہ کے تحت لکھی گئی تھیں۔ جن میں منجملہ اور باتوں کے یہ بھی لکھا گیا تھا کہ وہ تا عمر لامذہب اور دہریت پسند رہے اور اگر کبھی کسی مذہب کی طرف مائل بھی ہوئے تو انہوں نے شیعی مسلک کو اپنایا۔ جو لوگ اس قسم کی تحریروں کو پڑھیں گے وہ غلط فہمی میں مبتلا ہونگے اسلئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسکی تردید کی جائے اور جو حقائق ہیں انہیں سامنے لایا جائے اسی لئے یہ سطور تحریر کی جارہی ہیں۔ ایک متوازی اسلام کے دعوے دار اسلام دشمن طبقہ کی ہمیشہ اس بات کی کوشش رہی ہے۔ کہ وہ اکابر واعاظم اہل سنت پر کا لیبل چسپاں کرکے اپنے ہم مذہبوں کے حوصلے بلند کرے اور اہل سنت عوام کو تذبذب وانتشار میں مبتلا کرے یہ شیوہ اس کے متقدمین علماء کا بھی رہا ہے اور متاخرین کا بھی ہندوستان میں یہ سعی نامشکور قاضی نوراللہ شوستری نے خاص طور سے خوب انجام دی ہے۔

مذہبی ماحول:-

جگر صاحب اردو غزل کی آبرو تھے اور اردو زبان کے محسن تھے۔ ان کے کلام میں تغزل، سلاست، روانی اور سوز و گداز کا ایک حسین امتزاج ہے۔ وہ مشاعروں میں جب اپنے مخصوص ترنم سے اپنا کلام پیش کرتے تھے تو سارا مجمع سر دھنتا تھا۔ ۱۹۴۷ء کے بعد اردو کو مشاعروں کے ذریعہ مقبول بنانے میں جگر صاحب کا بڑا حصہ ہے۔ ایک قادر الکلام اور ہر دلعزیز شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ وہ بہت سی شخصی خوبیوں کے مالک تھے۔ فطرتاً وہ بیحد منکسر المزاج، فیاض، غیبت اور لغو گوئی سے مجتنب، دوسروں کے کام آنے والے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ معصیت کو معصیت سمجھنے والے انسان تھے۔ اکثر یہ خیال آتا تھا کہ ایک بادہ خوار اور آزاد خیال شاعر ہوتے ہوئے ان میں یہ خوبیاں کیسے آئیں چنانچہ مطالعے سے معلوم ہوا کہ وہ ایک مذہبی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ انسان کی سیرت اور طرز فکر پر خاندان اور اس کے ماحول کا بڑا

اثر پڑتا ہے۔ جگر صاحب کے مذہبی رجحانات کا اندازہ انکی ابتدائی تعلیم اورانکے گھریلو ماحول سے بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ ان کے خاندان کے بارے میں جناب احمر رفاعی تحریر کرتے ہیں:-

جگر صاحب اس خاندان سے متعلق ہیں جو مراد آباد میں مولویوں کے خاندان سے مشہور تھا۔ یہ خاندان تین وجوہات کی بناہ پر ممتاز رہا ہے۔ امارت، صداقت اور علم وادب۔ اس خاندان کے مقابلے میں ایک قاضیوں کا خاندان تھا جس سے اس خاندان کی قرابت داری تھی۔ یہ دونوں خاندان اپنی تہذیبی و ثقافتی روایات کی بناء پر ایک ایسی امتیازی شان کے مالک تھے جو مراد آباد میں کسی اور خاندان کو نصیب نہ تھی۔ (۱)

مذہبی تعلیم:-

جگر صاحب نے سب سے پہلے مولانا حافظ عبدالرحمن صاحب امروہوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۹۴۸ء) سے الف، ب، ت، شروع کی اور پھر کچھ دنوں مولوی اسماعیل بیگ صاحب کے مکتب میں بھی پڑھا (۲)

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انکے والد محمد علی نظر مولانا محمد صدیق صاحب مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۲۸ء) کے مرید اور معتقد تھے۔ جو بیک وقت حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مجاز تھے اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی بیعت تھے۔ جگر صاحب نے بھی اردو، فارسی، عربی اور قرآن مجید کی تعلیم مولانا محمد صدیق صاحب سے حاصل کی تھی۔ جگر صاحب کے قریبی عزیز جناب راز مراد آبادی کا کہنا ہے کہ:

"جگر صاحب نے (کچھ دنوں) حافظ قاری عبدالرشید صاحب رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۰۴ء) کے آگے بھی زانوئے تلمذ تہہ کیا، قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہماری خاندانی مسجد میں درس دیا کرتے تھے۔ چنانچہ جگر صاحب کے والد نے قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شہرت اور لیاقت کے باعث جگر صاحب کو ان کے حضور پیش کیا تھا۔" (۳)

حسن اتفاق سے مذکورہ بالا اساتذہ میں سے اکثر حضرات کسی نہ کسی حیثیت سے جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد سے وابستہ تھے۔ اس مدرسے کے روحانی ماحول اور ان حضرات کے مبارک فیض صحبت کا ہی یہ نتیجہ تھا کہ کچھ دنوں کے بعد جب وہ اپنی دینی تعلیمی سرگرمیاں ادھوری چھوڑ کر بعض نامناسب صحبتوں میں پڑ کر شراب نوشی کی عادت قبیحہ میں مبتلا ہوئے تو اس دور میں بھی ان کی شخصی خوبیاں، علماء و بزرگوں کا احترام اور سب سے بڑھ کر گناہ کو گناہ سمجھنے کی صلاحیت ان میں بہر حال باقی رہی۔ انہوں نے بحالت سرشاری بھی کسی طرح کی ناشائستگی کا کبھی مظاہرہ نہیں کیا اور نہ ہی کوئی

۱۔ جگر کی شاعری کا واقعاتی پس منظر، احمد حسین احمر رفاعی ایم۔اے۔ ص ۱۳۹ مشمولہ رسالہ اردو کراچی ۱۹۵۹

۲۔ جگر مراد آبادی۔ حیات اور شاعری، مرتبہ ڈاکٹر محمد اسلام، ص: ۵۶ لکھنو ۱۹۶۶ء

۳۔ ماہنامہ فروغ اردو لکھنئو ۲۳۔۲۴ فروری / مارچ ۱۹۶۱ء

ایسی حرکت کبھی ان سے سرزد ہوئی جس پر بعد میں انہیں ندامت اٹھانی پڑی، وہ ہمیشہ مدہوشی میں، خاموش ہوجایا کرتے تھے۔اور سوائے مشاعروں یا محفلوں میں شعر سنانے کے کوئی دوسری گفتگو نہ کرتے تھے، اسی گمراہی اور معصیت کے دور میں کچھ دنوں کے لئے ان میں لامذہبیت اور پھر شیعیت کا بھی اثر ہو گیا تھا جس کا اثر جلد ہی ختم بھی ہو گیا تھا اور وہ اپنے آبائی مذہب و مسلک پر واپس آگئے تھے۔ اس طرح ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت میں جو روحانی فیوض و برکات شامل تھے ان کا کچھ نہ کچھ اثر ان تمام زندگی میں غالب رہا۔ حتیٰ کہ اس زمانے میں بھی جب ان پر رندی و سرمستی کا غلبہ تھا۔

مذکورہ بالاسطور سے یہ واضح ہو چکا کہ جگر صاحب کا خاندانی ماحول دینی اور مذہبی تھا اور انہوں نے علماء حق سے دینی تعلیم و تربیت حاصل کی تھی۔ چنانچہ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد کی طرف سے شائع شدہ ایک کتابچہ میں مدرسہ کے تربیت یافتہ مشاہیر میں جگر صاحب کا نام بھی تحریر کیا گیا ہے۔ (۱)

ترک مے نوشی :-

ڈاکٹر ضیاءالدین لکھتے ہیں :

جگر صاحب شراب پینے کو کبھی اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ ہمیشہ اپنی شراب نوشی پر نادم رہتے تھے اور اس سے چھٹکارا پانے کی دعائیں کرتے رہتے تھے۔ اور مخلصین سے بھی دعائیں کرنے کے لئے التجاء کرتے تھے، بار بار اسے ترک کرنے کی کوشش کرتے مگر کامیاب نہ ہوتے ------ بالآخر ۱۹۲۹ء میں احباب کی دعائیں رنگ لائیں اور وہ اپنی کوششوں میں کامیاب ہوئے۔ ایک بار جو چھوڑی تو پھر کبھی نہیں پی اور ہمیشہ کے لئے اس سے چھٹکارا حاصل کرلیا۔ یہ ان کی قوت ارادی اور عزم صمیم کی بہترین مثال ہے۔ (۲)

ترک مے نوشی میں جہاں جگر صاحب کے دینی جذبہ کا دخل تھا وہیں اسمیں مشہور صوفی منش غزل گوشاعر جناب اصغر گونڈوی کی کوششوں اور نصیحتوں کا بھی زیادہ دخل تھا۔ انہوں نے ہی دور گمراہی میں انکی رہنمائی کی اور انہی کے فیض صحبت سے جگر نے اپنی زندگی سنواری اور عقائد کی اصلاح کی اور انہی کے ایماء پر ضلع سہارنپور کے مشہور و مقبول بزرگ حضرت قاضی عبدالغنی صاحب منگلوری رحمۃ اللہ علیہ (۱۹۲۸ء) کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔ جگر صاحب خود بھی اسکے معترف تھے اور انہوں نے اصغر گونڈوی مرحوم کے اس احسان کو کبھی بھی فراموش نہیں کیا بلکہ ہر موقع پر اسکا اظہار بھی کرتے تھے چنانچہ اپنے ایک قریبی دوست کو ایک خط میں تحریر کیا تھا کہ ----

"اگر حضرت اصغر کے توسط سے مجھے آستانہ منگلور سے شرف غلامی حاصل نہ ہوجاتا تو یقیناً یا تو خودکشی کرچکا ہوتا ورنہ بقول میرے ایک دوست کے زینت صحرا ہوتا۔ میری تربیت اصغر گونڈوی کے نفوس

۱۔ اغراض و مقاصد مرتبہ دفتر مدرسہ شاہی مراد آباد مطبوعہ ۱۹۸۸ء۔

۲۔ جگر مراد آبادی۔ مرتبہ ڈاکٹر محمد ضیاءالدین انصاری، ص ۱۲، ساہتیہ اکادمی نئی دہلی ۱۹۸۱ء

قدسیہ کی رہین منت ہے۔ اور صحیح معنوں میں موصوف ہی کی ذات گرامی میری اصلاح شعری کی ذمہ دار ہے۔" (۱)

اس طرح اصغر گونڈوی نے اپنی خاموش تربیت کے ذریعہ انہیں صحیح راستہ پر لگادیااور ایک مرشد کامل کے آستانے پر پہونچا دیا جس سے ان کے دل ودماغ کی دنیا ہی بدل گئی۔

سعادت حج :-

جگر صاحب کو اللہ تعالیٰ نے ۱۹۵۴ء میں حج کی سعادت بھی عطاء فرمائی اس سفر سے پہلے انہوں نے اپنی سیرت اور صورت دونوں کو مومنانہ قالب میں ڈھال لیا تھا۔ اور اعمال حسنہ سے اپنے آپ کو آراستہ کرلیا تھا۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حج کرنے کی تمنا جگر صاحب کو عرصہ سے تھی۔ چنانچہ لکھنؤ کے ایک مقبول ومعروف نعت گو شاعر زائر حرم جناب حمید صدیقی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۶۵ء) جو جگر صاحب کے شاگرد بھی تھے۔ انہوں نے ایک بار زائران حرم کی آمد پر ایک نظم کہی جس میں موقع ومحل کے اعتبار سے اور بہت سے دعائیہ اشعار کے ساتھ ایک شعر جگر صاحب کے لئے بھی منظوم ہو گیا۔

حاضر در نبی پہ جگر بھی ہوں اے خدا
آنکھوں میں جوش اشک ندامت لئے ہوئے

ایک موقع پر ہمت کر کے یہ نظم حمید صاحب نے جگر صاحب کی خدمت میں بغرض اصلاح پیش کردی مذکورہ بالا شعر پر جب انکی نظر پہونچی تو ان پر اتنا اثر ہوا کہ زار وقطار رونے لگے اور پھر بولے دل دکھانے کی چیز نہیں ہے۔ ورنہ دکھاتا کہ تمھاری اس مخلصانہ محبت اور دعا کا میرے اوپر کتنا اثر ہوا ہے۔ (۲)

راقم الحروف سے ایک بار حمید صدیقی مرحوم نے خود ذکر کیا تھا کہ ایک دفعہ جگر صاحب لکھنؤ آئے تھے۔ اور یہ زمانہ ان کی بادہ نوشی کا زمانہ تھا۔ میں اپنی چند نعتیں لیکر بغرض اصلاح ان کی قیام گاہ پر پہونچ گیا اس وقت جگر صاحب سرشار تھے۔ انہوں نے میرا حسب معمول پر تپاک استقبال نہیں کیا اور کچھ اپنی حالت چھپانے میں لگ گئے۔ میں سمجھ گیا اور فوراً واپس چلا آیا۔ اگلے روز جگر صاحب نے مجھے خود بلوایا اور بڑی لجاجت سے کہا کہ "میاں آپ ایسی حالت میں جبکہ میں ہوش میں نہ رہوں میرے سامنے نہ آیا کریں۔ مجھے آپ کو دیکھ کر بہت غیرت آتی ہے۔ اور اپنی حالت زار پر سخت افسوس ہوتا ہے۔ اور پھر خود ہی فرمائش کر کے میری نعتوں پر اصلاح دی" معلوم ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جگر صاحب کا حج مقبول ہو گیا اور اسکا قرینہ یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک بار لکھنؤ کے مشہور کارخانہ "اصغر علی محمد علی تاجران عطر وتیل" کے مالک حاجی اصطفا خاں صاحب مرحوم کے بقول مدینہ منورہ کے ایک بزرگ مولوی

۱۔ جگر کے خطوط مرتبہ محمد اسلام، ص ۱۵۹، لکھنؤ ۱۹۶۵ء

۲۔ ماہنامہ فروغ اردو لکھنؤ اپریل ۱۹۶۱ء

عبدالوہاب انصاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار خواب میں دیکھا کہ جگر گنبد خضرا کے سامنے کھڑے ہیں اور خوب لہک لہک کر اپنا کلام سنا رہے ہیں۔ انہوں نے یہ خواب اصطفا خاں صاحب سے ذکر کیا تو خاں صاحب مرحوم نے پوچھا کہ آپ نے کبھی جگر کو دیکھا اور سنا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ کبھی نہیں اس پر اصطفا خاں صاحب نے دریافت کیا کہ اچھا ذرا انکا حلیہ تو بیان کیجئے تو انہوں نے بتایا۔۔۔ پستہ قد، سیاہ رو، بدہیئت، سر کے بال بکھرے ہوئے، شیروانی کے بٹن کھلے ہوئے، مست اور لاابالی سے

۔۔۔۔۔ یہ واقعہ حاجی اصطفا خاں صاحب نے جگر صاحب سے بیان کیا۔ جب جگر صاحب حج کو گئے تو فرمائش کرکے ان بزرگ سے جا ملے اور کچھ دیر بیٹھ کر ان کو اپنا کلام بھی سنایا۔ اس کے بعد اس بزرگ نے فرمایا۔۔۔ واللہ (خواب میں) یہی شکل وصورت اور اسی حلیہ کا شخص اسی لہجہ میں اپنا کلام سنا رہا تھا۔ (۱)

جگر صاحب انتہائی مذہبی اور شریف الطبع آدمی تھے۔ مے نوشی جو کہ ام الخبائث ہے اسکی وجہ سے بری صحبتوں میں پڑ کر وہ کچھ دنوں کے لئے مذہب ومسلک کے لحاظ سے گمراہ ہوگئے تھے۔ مگر اس گمراہی کا بھی انہیں کافی احساس تھا، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت کا راستہ دکھایا۔ جس پر وہ آخر دم تک ثابت قدم رہے اور انکا انجام بخیر ہوا۔ اصل چیز یہی ہے۔ کہ آخری زندگی کیسی گذری اور خاتمہ کس طرح ہوا۔ قاضی عبدالغنی صاحب منگلوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت پھر ترک مے نوشی اور پھر ۱۹۵۴ء میں حج کی سعادت ان سب باتوں سے ان کی زندگی میں انقلاب آیا اور اعمال خیر کی توفیق ملی، اس طرح جگر صاحب دوبارہ اپنے آبائی مذہب پر آکر ایک سچے و پکے مسلمان ہوگئے۔

مسلک کے لحاظ سے جگر صاحب نہایت پکے سنی عقیدہ کے حامل تھے۔ اور اس عقیدہ کا اظہار وہ بے دھڑک کرتے تھے۔ اور کسی کی کوئی رعایت نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ پروفیسر سید احتشام حسین صاحب ان کو لکھنؤ یونیورسٹی کے ایک مشاعرہ میں مدعو کرنے گئے، وہ خود جگر صاحب سے اچھی طرح واقف تھے مگر جگر صاحب انکو نہیں جانتے تھے۔ اسی لئے وہ اپنے ساتھ شوکت تھانوی کو لیتے گئے۔ شوکت تھانوی سے جگر صاحب کے اچھے تعلقات تھے۔ ان کے آنے کی خبر سن کر وہ فوراً باہر چلے آئے لیکن بیٹھتے ہی شیعہ سنی کا ذکر چھیڑ دیا اور کہا، شوکت صاحب! یہ شیعہ کیا عدل عدل کیا کرتے ہیں۔ اس موقع پر شوکت صاحب کی عجیب حالت ہوئی وہ نہ تو جگر صاحب کی بات سے انکار کر سکتے تھے۔ اور نہ ہی انکی ہاں میں ہاں ملا سکتے تھے، جگر صاحب اس بات سے واقف نہیں تھے کہ احتشام صاحب شیعہ ہیں۔۔ بہر حال کسی نہ کسی طرح شوکت تھانوی نے موضوع کو بدلا اور مشاعرہ میں شرکت کا وعدہ لیکر چلے گئے۔ (۲)

۱۔ جگر مراد آبادی، مرتبہ ڈاکٹر ضیاء الدین انصاری، ص ۲۴۔۲۵ بحوالہ تذکرہ جگر، مرتبہ محمود علی خان جامعی ص ۶۰ کراچی اردو اکیڈمی سندھ ۱۹۶۱ء

۲۔ جگر فن اور شخصیت، مرتبہ شارب ردولوی، ص ۳۱، الہ آباد ۱۹۶۰ء

اسی طرح ایک واقعہ منشی درگاہ پرشاد صاحب شاد سلطانپوری نے بھی نقل کیا ہے،انہیں جگر صاحب سے بڑی عقیدت تھی۔ ایک بار کسی شیعہ کا ذکر جگر صاحب کے سامنے ہوا تو شاد صاحب نے کہا کہ وہ بڑے اچھے آدمی ہیں۔اس پر جگر صاحب نے جواب دیا کہ اگر وہ اچھے آدمی ہیں تو انہیں ضرور بہت اچھا کہنا چاہئے اسلئے کہ وہ جس جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔اس میں اچھے آدمی کہاں ہوتے ہیں۔(۱)

جگر صاحب کے بارے میں خود ان کے ایک سابق ہم وطن اور اہل علم بزرگ مولوی سید علی مظہر نقوی امروہوی ثم کراچوی تحریر کرتے ہیں جگر صاحب کا بیان ہے کہ:

"میں اپنی شیعیت کے دور میں خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے اسمائے مبارکہ لکھ کر اپنے جوتوں میں رکھتا تھا مگر آج تک اپنی اس ملعون اور ضامن جہنم حرکت پر دل کی بے قراریوں کے ساتھ بے حساب آنسو بہا چکا ہوں۔ بدرگاہ الٰہی سینکڑوں سجدے بجا لاچکا ہوں مگر اپنے زمانہ جاہلیت کی غفلت الٰہی کو دعوت دینے والی اس حرکت نے میرے دل کے سکون کو اڑا رکھا ہے، کاش اللہ مجھے معاف کردے اور میرے قلب کو سکون دیدے۔(۲)

جگر صاحب کی مثالی فراست ایمانی اور خودداری کی ایک ادنیٰ مثال یہ ہے۔ کہ ایک مرتبہ انہوں نے ایک مشاعرہ میں شرکت کا وعدہ کرلیا، وہاں پہونچے تو کیا دیکھا کہ جو صاحب بھی تشریف لائے ہیں انکی غزل پانچ یا بارہ اشعار پر ہی مشتمل ہوتی ہے۔ کم و بیش کا سوال ہی نہیں۔وہ اس منصوبے کو فوراً تاڑ گئے مگر آخر تک اپنے وعدہ اور محفل کے لوازمات و تقاضوں کو باوجود گھنٹوں کی کبیدگی و دل برداشتگی کے اور وہ بھی حساس ترین اور خوددار ترین جان مشاعرہ بلکہ ملک الشعراء ہونے کی حیثیت سے پوری خوبصورتی سے نبھاتے رہے مگر اپنا جب نمبر آیا تو پھر کیسا بھرپور انتقام لیا۔ کہ ایک ایک منصوبہ بند نے اپنا سر ہی پکڑ لیا یعنی وہ صرف چار شعر سنا کر اسٹیج سے باوجود دہزار چیخ و پکار اور منت و سماجت کے یہ کہتے ہوئے نیچے اتر آئے کہ پانچ اور بارہ کا جواب یہی چار ہیں۔(۳)

جگر صاحب اور علماء دیوبند:-

جگر صاحب کو علماء و مشائخ دیوبند سے بڑی عقیدت اور محبت تھی۔وہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو باضابطہ نہ سہی مگر بدل اپنا مصلح سمجھتے تھے۔سہارنپور یا اسکے اطراف میں کہیں آنا ہوتا تو شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ضرور آتے

۱۔ جگر فن اور شخصیت، مرتبہ شارب ردولوی، ص ۲۲

۲۔ ملخص از تحریر مولوی علی مظہر نقوی جنھوں نے حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی کے ایک مضمون "افسانہ تحریف قرآن" کو کراچی سے شائع کیا تھا۔اور اس مضمون کے آخر میں ص ۷۲ سے ۷۵ پر اپنی یہ تحریر شائع کی تھی)۔

(۳)۔ ملخص از تحریر موی مظہر علی نقوی۔

اور حضرت بھی انکی خاطر مدارات میں کوئی کمی نہ فرماتے تھے۔ اور اکثر ان سے کچھ سنانے کی فرمائش بھی کرتے تھے جسے جگر صاحب بخوشی پورا کرتے تھے۔ ایک قابل ذکر بات یہ بھی تھی کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی حجۃ اللہ البالغہ جیسی ایمان افروز اور علم بخش کتاب کو وہ اپنے زیر مطالعہ رکھتے تھے۔ اور اسی کو اپنا حاصل حیات باور کرتے تھے۔ امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کے خصوصی کفش برداروں میں سے تھے۔ اور بڑی ہی نیاز مندانہ حیثیت سے انکی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ امام اہل سنت علیہ الرحمۃ بھی ان سے خصوصی شفقت اور محبت سے ملتے تھے۔ وہ یہاں تک آپکی قدر کرتے تھے۔ کہ ۱۹۴۲ء میں لکھنؤ میں دوروزہ آل انڈیا مدح صحابہ مشاعرہ کی صدارت سے بھی انہیں نوازا تھا۔ جہاں انہوں نے اپنی وہ مشہور نعت بھی اپنے ترنم سے پڑھی تھی جس کے ایک ایک لفظ سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ سے عشق و محبت کے جذبات کا پتہ چلتا ہے۔ اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

اک رند اور مدحت سلطان مدینہ
ہاں کوئی نظر رحمت سلطان مدینہ

اے خاک مدینہ تری گلیوں کے تصدق
تو خلد ہے تو جنت سلطان مدینہ

اسطرح کہ ہر سانس ہو مصروف عبادت
دیکھوں میں در دولت سلطان مدینہ

اس امت عاصی سے نہ منہ پھیر خدایا
نازک ہے بہت غیرت سلطان مدینہ

کچھ اور نہیں کام جگر مجھکو کسی سے
کافی ہے بس اک نسبت سلطان مدینہ (۱)

اس موقع پر انہوں نے منقبت کی جو نظم سنائی تھی اسکے چند بند یہ ہیں:

ہر زمانے میں پیمبر بھی نبی بھی آئے
مصلح ملی و ملکی بھی ریشی بھی آئے

حق کے جوئندہ بھی اور حق کے ولی بھی آئے
واقف محرم اسرار خفی بھی آئے

ہر زمانے میں پیمبر بھی نبی بھی آئے
مصلح ملی و ملکی بھی ریشی بھی آئے

۱۔ گلدستہ نعت و منقبت، مرتبہ ساجد صدیقی لکھنوی، ص ۷۔۸ لکھنؤ ۱۹۹۰ء

حق کے جوئندہ بھی اور حق کے ولی بھی آئے
واقف محرم اسرار خفی بھی آئے
آئے دنیا میں بہت پاک مکرم بنکر
کوئی آیا نہ مگر رحمت عالم بن کر
کس نے جام مئے توحید پلایا سبکو
کس نے پیغام مساوات سنایا سبکو
راستہ کس نے حقیقت کا دکھایا سبکو
کس نے اس حسن کا دیوانہ بنایا سبکو
تم نے دیکھا ہے بہت دفتر پیغام اسکا
اور ایسا کوئی گزرا ہو تو لو نام اس کا
کوئی صدیق سا گزرا ہو تو للہ دکھاؤ
تم نے فاروق سا دیکھا ہو تو للہ دکھاؤ
کوئی عثمان سا آیا ہو تو للہ دکھاؤ
کوئی حیدر کا سا دیکھا ہو تو للہ دکھاؤ
ثانی احمد بے میم تو کیا لاؤ گے
اسکی امت کی مثالیں بھی نہیں پاؤ گے (۱)

جگر کی مذہبیت مشاہیر کی نظر میں :- جگر صاحب کے معاصرین نے ان کے بارے میں جب بھی اور جو کچھ بھی لکھا ہے۔ اسمیں ان کی دینداری اور مذہبی حمیت کا ضرور ذکر کیا ہے۔ چنانچہ پروفیسر رشید احمد صدیقی بھی ایسی ہی لوگوں میں سے تھے جن کے جگر صاحب سے گھرے مراسم تھے۔ رشید صاحب نے ان کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار اس طرح کیا تھا۔

جگر بڑے مذہبی آدمی ہیں۔۔۔۔ وہ ان معنوں میں مذہبی آدمی ہیں کہ وہ اللہ، رسول اور انسان کے حقوق پہچانتے ہیں۔ اور اس کا لحاظ رکھتے ہیں۔ (۲)

اسی طرح مولانا ماہر القادری صاحب مدیر فاران کراچی بھی جگر صاحب کے معاصر تھے، وہ اپنا مشاہدہ اسطرح تحریر کرتے ہیں :-

---

۱۔ ہفت روزہ حرم لکھنؤ سیرت نمبر، مرتبہ مولانا عبدالمومن صاحب فاروقی، ص ۱۲

۲۔ جگر صاحب، پروفیسر رشید احمد صدیقی، نقوش لاہور جنوری ۱۹۵۵ء، شخصیات نمبر، ص ۹۲،۱۸۰، ۹۶۳،۲۔

ذوقِ پرواز

مولانا راشد الحق صاحب سمیع کچھ عرصہ پہلے چند مغربی ممالک کے سفر پر سیاحت کی غرض سے تشریف لے گئے تھے دوران سفر انکے مشاہدات اور تاثرات پر مشتمل دلچسپ سفرنامہ نذر قارئین ہے (ادارہ)

از ساز و برگ قافلہ بے خوداں مپرس

بے نالہ مے رود جرس کارواں ما

یوں تو زندگی کا سفر جانے کب سے شروع ہے۔ نہ اس کے آغاز کا علم ہے اور نہ اس کے انجام کی کچھ خبر۔ اور نہ جانے کب اس کی آخری منزل آئے۔ میرا بھی سفر کے ساتھ خوب نباہ ہوا ہے۔ اور یہ معاملہ بھی دیگر عجائبات کی طرح میرے لئے عجیب رہا ہے۔

الی لعمری قصد کل عجیبة

کانی عجیب فی عیون العجائب

ایک درماندہ، ناکارہ و آوارہ، خستہ حال، شکستہ پر اور آبلہ پا مسافر، کو اس عرصہ حیات میں نہ جانے کن کن ان دیکھی منزلوں اور ان جانے راستوں نے پکارا

راہرواں را خستگی راہ نیست

کیسی کیسی وادیوں، ذی ذرع وغیر ذی ذرع نے مجھے دعوت نظارہ اور تسکین شوق صحرا نوردی وراہ نوردی اور کوہ پیمائی کیلئے بلایا۔ یوں ایک مسافر بے ساماں کیلئے لمبے لمبے راستے سمٹتے اور گھٹتے رہے۔ اور اس راہی نے بے بال و پری کے باوجود ہر منزل، ہر رہگذر اور ہر دشت اور ہر بیاباں کی صدا پر دل و جان سے لبیک کہا اور دیوانہ وار وہاں پہنچا۔

کس ندانست کہ منزل گہہ آں یار کجاست

ایں قدر ہست کہ بانگ جرسے مے آید

راقم نے جب شعور کی منزلیں بھی طے نہیں کی تھیں، اور صحیح طور سے چلنا بھی نہیں سیکھا تھا اس وقت سے "وقت" کے مرکب پر پابہ رکاب ہوں

رو میں ہے رخش عمر کہاں دیکھئے تھمے

نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں۔

اب جبکہ کاروان عمر ۲۵ویں منزل میں ہے۔اور آج جب تھوڑی دیر سستانے اور دم لینے کیلئے عمر رفتہ پر ایک طائرانہ نظر دوڑائی، اور غبار راہ کو ذرا جھاڑا تو اپنے آپ کو اس عرصہ میں کبھی بتکدہ ہند میں پایا اور کبھی آتش کدہ فارس میں دیکھا، کبھی مہبط انوار وحی، ام البلاد مرکز اسلام مو ادئی بطحا، سرزمین حجاز مقدس میں صدائے لبیک الہم لبیک کہتے پایا اور کبھی بنی اسرائیل کے وادی تیہہ میں حیران و سرگردان گھومتے پھرتے دیکھا۔اور کبھی فراعنہ مصر کے اہراموں اور ساحل نیل پر خود کو بیٹھا پایا۔ کبھی تو سنگلاخ اور خشک تپتے ہوئے افغانستان کے پہاڑوں میں بنے، عقابوں کے نشیمن (مجاہدین کے مورچوں) میں اپنے آپ کو سرشار و مسرور دیکھا۔اور کبھی یورپ کے سرد اور خنک آب و ہوا میں چہل قدمی کرتے پایا۔اور کبھی ماضی کے گریٹ برٹن کے سکڑے ہوئے جزیرے کو چشم عبرت سے دیکھا اور کبھی تو بلجیئم سکاٹ لینڈ، ہالینڈ اور فرانس کے شاہراہوں سے گزرا۔

آوارگی برنگ تماشا بری نہیں

ذوق نظر ملے تو یہ دنیا بری نہیں

اسی بناء پر ہمارے محترم استاد مولانا محمد ابراہیم فانی صاحب نے مجھے ہمیشہ ابوالاسفار کی" کنیت" سے پکارا۔"شاہراہ زیست" پر مجھے وقفے وقفے سے بے شمار اسفار پیش آتے رہے۔اور خوشگوار و ناخوشگوار واقعات مشاہدات اور واردات سے واسطہ رہا۔لیکن کبھی ان کو ضبط تحریر میں لانے کا خیال نہیں آیا۔ کیونکہ میں کیا اور میری روداد سفر کیا۔اس کے لئے تو ایک جہاں دیدہ نظر کی ضرورت ہے۔ تجربہ اور مشاہدہ کے ساتھ ساتھ جس نے ہفت اقلیم کھنگالے ہوں۔اور بحروبر کی گردش میں زندگی بتائی ہو۔مجھے کیا معلوم۔۔۔۔۔۔۔؟ کائنات کے ظاہری اور باطنی اسرار و رموز سے ناآشنا اور بے گانہ طفل مکتب، جو کہ خود اپنی تلاش میں سرگرداں رہتا ہو۔۔۔۔وہ کیا لکھے گا۔اور جہاں کو کیا خبر دے گا۔بقول کیفی مرحوم۔

اوروں سے کیا کہوں مجھے خود بھی خبر نہیں

اب کس مقام پر ہوں کہاں سے چلا تھا میں

اور ویسے بھی ایک مضطرب، بے چین مشت خاک پریشان کو اس جہان رنگ و بو کی بوقلمونیوں،

نیر نگیوں اور عالم افلاک کی وسعتوں، شمس و قمر کی تابنا کیوں سمندروں کی گہرائیوں اور زمین کی حد بندیوں، جغرافیائی حدوداور مختلف تہذیبوں اور تمدنوں، ابنائے آدم کی مختلف النسل اقوام کی کیا معرفت اور کیا علم و خبر۔اس بے مقصد کوچہ گردی و آوار گی اور سیر بینی کی کوئی بھی وجہ سمجھ میں نہیں آتی اور ویسے بھی خزاں رسیدہ پتے کی کوئی منزل اور ٹھکانہ نہیں ہوا کرتا۔

اس بار بھی جب سفر سے واپسی ہوئی تو اکثر بے تکلف دوستوں اور حضرت فانی صاحب کی تحریک اور اصرار پر اور خاطر دوستاں کی خاطر اس "آوار گی اور صحرا نوردی" کا چشم دید حال لکھنے پر مجبور ہوا اگرچہ اپنا ارادہ نہیں تھا کہ میرے سفر کے گرد و غبار سے قرطاس وقلم کا دامن اور قارئین کا صاف ستھرا ذوق آلودہ اور خدانہ خواستہ داغدار ہو جائے کہ بقول کسے

میرے قلم پہ زمانے کی گرد ایسی تھی

کہ اپنے بارے میں کچھ بھی نہ لکھ سکا یارو

ساری تمہیدات چھوڑ کر میں منشی محبوب عالم صاحب کے سفر ناموں کی اہمیت سے متعلق "سفر نامہ یورپ" کے دیباچہ میں لکھے ہوئے چند الفاظ و خیالات پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔وہ کیا خوب لکھتے ہیں۔

"میں نے اپنے سفر میں امیروں یا بڑے بڑے لوگوں سے ملاقاتیں کرنے کی کوشش نہیں کی نہ ہی مجھے ان باتوں سے زیادہ دلچسپی رہی ہے۔بلکہ میں اہل علم اور متوسط درجے کے لوگوں اور غریبوں کے حالات دریافت کرتا اور بنظر غائر ان کے طریقہ زندگی کو دیکھتا رہا ہوں، چنانچہ ان اوراق کی تحریر میں مجھے زیادہ تر یہی بات مد نظر رہی ہے۔کہ صرف ایسی باتیں قلم بند کی جائیں کہ جن سے اہل ملک فائدہ اٹھائیں۔۔ غرض میرے اس مختصر سفر سے جو فائدہ مجھے حاصل ہوا اور جو اضافہ میری معلومات میں ہوا میں نے بلا کم و کاست اس میں اپنے ہم وطنوں کو شریک کرنے کی کوشش کی ہے۔ایک انگریز مصنف "جیمس بیکر" نے اپنی سفر نامہ "ٹر کی ان یورپ" کے دیباچہ میں لکھا ہے "کوئی علم یا واقفیت جو ایک سیاح اپنی سیاحت کے دوران حاصل کرتا ہے۔اگر وہ اسے دوسروں پر ظاہر نہ کرے تو اس کی سیاحت محض ایک خود غرضانہ لطف یا عیش ہے۔اور میری رائے میں سیاح کا یہ فرض ہے کہ اپنی بہترین لیاقت کے مطابق ان ممالک اور اقوام کے حالات جو خود اس نے معلوم کیئے ہیں پبلک کی نذر کر دے۔"

انھی اصولوں کی روشنی میں اور الامر فوق الادب کے مصداق اپنے حافظے سے منتشر یاداشتوں کو جمع کرکے اس بے پایاں کائنات کی سیر میں آپ کو لیئے چلتا ہوں۔۔۔شاید ہم نے جہاں جہاں ٹھوکر کھائی ہو بعد میں آنے والے ان منازل سے سبک رفتاری سے گزر جائیں

اچھا ہوا کہ راہ میں ٹھوکر لگی ہمیں

ہم گر پڑے تو سارا زمانہ سنبھل گیا۔

راقم یہاں پر ایک اہم نکتہ کی وضاحت ضروری سمجھتا ہے۔تا کہ قارئین کرام کے اذہان میں بندہ کے متعلق کوئی غلط فہمی یا شک وشبہ کے خار پیدا نہ ہوں وہ یہ کہ میں اپنے ان اسفار کو کبھی اسلامی مشن یا تبلیغی دورے کے مقدس نقاب اور پاک قبا میں نہیں چھپانا چاہتا اور نہ ہی یہ کسی مروجہ چندہ سکیم کی کڑی ہے ۔کہ اس قبیح بد نما داغ سے اللہ تعالیٰ نے مرے والد ماجد اور عظیم دادا کو بھی بچائے رکھا۔جبکہ دارالعلوم کی صورت میں مسائل اور ضرورتوں کا انبار سامنے رہا۔ مگر حق تعالیٰ نے ہمیشہ ہمیں ہاتھ پھیلانے سے۔بچا کر غیب سے دستگیری فرمائی۔اہل اخلاص خود ہی یہ کام چلاتے رہے۔

یہ تو فقط "ذوق پرواز" تھا اور (سیروا فی الارض) کی عملی تفسیر کا مشاہدہ تھا اور گویا بنص قرآنی (فاعتبروا یا اولی الابصار)۔سفر عبرت تھا۔اور یا ایک مطالعاتی دورہ تھا۔یا شوریدگی میں "سیر سرائے دھر" کا قصد تھا۔ کیونکہ "روایتی تبلیغی دوروں" کے ماشاءاللہ جو نتائج نمودار ہو رہے ہیں مجھے اس کا ادراک وہاں جا کر خوب ہوا۔یہاں پاکستان میں جو لوگ یورپ وغیرہ کے چکر لگانے کے بعد آتے ہیں تو یہاں آکر وعظ و پندار اور سینکڑوں ،ہزاروں غیر مسلموں کو حلقہ بگوش اسلام بنانے کے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں ۔ حالانکہ ان حضرات نے اسلام کی دعوت وفکر کو عام کرنے اور اس دین متین کی عالمگیریت ،فلسفے اور حقیقت وماہیت اور مبادی واصول کو بیان کرنے کی بجائے وہاں پر دیار غیر میں بھی وہی فروعی اختلافات ،مسلکی جھگڑے ،مخالفانہ نعرے ،اور تعصب کی آگ کو عام کیا ہے۔اور (اثمھما اکبر من نفعھما) کے مصداق خالی الذہن اور معصوم لوگوں کے اذہان کو اتنا منتشر اور پراگندہ کیا ہے اور مساجد ومدارس کے نام پر ان کے جیبوں پر اتنا ڈاکہ ڈالا گیا ہے اور ڈالا جارہا ہے۔ کہ نوبت بایں جارسد کہ کسی پاکستان سے آمدہ مولوی یا واعظ کو دیکھ کر وہ لوگ مسجد آنا چھوڑ دیتے ہیں ۔ان حضرات کی فتنہ انگیزیوں سے دیار کلیسا "میں مساجد تقسیم ہوئیں میں نے خود مشاہدہ کیا ہے کہ ایک مسجد کے ہال میں دو ،دو پردے لگے

ہوئے ہیں۔ایک وقت میں دو دو نمازیں ادا ہوتی ہیں۔ کہیں تجدید نکاح کے محافل ہیں اور کہیں تجدید ایمان کے مشورے دیئے جا رہے ہیں ۔ کہیں ادا شدہ نماز کے اعادے ہو رہے ہیں اور کہیں تکفیر کے توپ و تفنگ سجے ہوئے ہیں۔یا خدایا۔۔۔اس دھینگا مشتی کے لئے کیا اپنا وطن کافی نہیں تھا جو ان لوگوں نے غیر مسلموں کی سرزمین پر بھی یہ نازیبا ڈرامے رچانا شروع کیئے ۔۔یہاں پاکستان آ کر سینکڑوں ہزاروں گوروں کو مسلمان کرانے کے دعوے کرنے والے تو خود مسلمانوں کے ایمانوں کی بنیادیں ہلا کر آتے ہیں ۔ تبلیغی جماعت کو مستثنیٰ کر کے باقی حضرات کے متعلق ہم یہی کہہ سکتے ہیں۔

بادہ عصیاں سے دامن تر بتر ہے شیخ کا

پھر بھی دعویٰ ہے کہ اصلاح دو عالم مجھ سے ہے

بہر حال درمیان میں یہ ایک "جملہ معترضہ" اور "سخن گسترانہ بات" تھی اور جلے دل کی ایک قاش تھی۔جس کو میں نے آپ کے سامنے پیش کیا۔اگر کسی کی دل آزاری ہوئی ہو تو معذرت خواہ ہوں دوسرا نکتہ یہ ہے کہ چونکہ "الحق" کا اپنا ایک سنجیدہ اور علمی مقام ہے۔اور یہ پرچہ برصغیر میں متین صحافت کا علمبردار سمجھا جاتا ہے ۔اور الحمدللہ اس کے قارئین بھی علمی ادبی اور متین شخصیات ہیں ۔ہوسکتا ہے کہ میری اس قسم کی "آوارگی" پر ان کے اذہان میں کسی قسم کے شکوک و شبہات جنم لیں لیکن اس کے لئے ماسوائے اس کے اور کیا لکھوں گا۔

ہزار دام سے نکلا ہوں ایک جنبش میں

جسے غرور ہو آئے کرے شکار مجھے

دیکھیے تمہید طولانی میں ہی کئی صفحے سیاہ ہو گئے۔ کہ ۔۔۔"تمنا مختصر سی ہے مگر تمہید طولانی

اس دفعہ بھی کچھ اسباب سفر ہو ہی گیا ۔اور پھر ہوا پیمائی اور دیس بدیس خاک اڑانے کیلئے گھر سے چل نکلا ہمیشہ کی طرح پھر تن تنہا قصد سفر تھا ۔ زبان و مکان سے نا آشنا و نا آشنائے زمانہ اور صحیح معنیٰ میں بے دست و پا تھا ۔ کوئی بھی رفیق راہ منزل نہ تھا ۔صرف اس "قافلہ شوق و عبرت" کا امیر ،جنون اور رہنما اپنا "ذوق آوارگی" ۔۔۔۔۔۔اور یقیناً یہ سب سے اچھا ہمسفر اور ہم رکاب تھا۔

بار فیقان زخود رفتہ سفر دست نہ داد سیر صحرائے جنون حیف کہ تنہا کردہ ایم

۹ جون ۹۶ء کو میری اسلام آباد سے شام کو کراچی فلائٹ تھی پھر اسی رات کو تقریباً ۵ بجے پی آئی اے کے ذریعے ایمسٹرڈیم کی طرف روانہ ہونا تھا۔لیکن سفر کا آغاز ہی ایسا تھا اور ابتدائے سفر سے ہی اپنا ستارہ بتا رہا تھا کہ مصائب اور تکالیف کا باب کھل گیا ہے۔اسلام آباد ائیر پورٹ پر تقریباً تین گھنٹے انتظار کرنا پڑا۔بارش کی وجہ سے ہر آدھ گھنٹے کے بعد مزید صبر و انتظار کرنے کی تکلیف دہ اناؤنسمنٹ ہو رہی تھی آخر جب انہوں نے یہ "مژدہ" سنایا کہ یہ فلائٹ کینسل ہو گئی ہے تو میرے اعصاب پر اس طوفانی موسم میں اس خبر سے گویا بجلی گر پڑی ------اتنا انتظار اور پھر اس پر مستزاد انکار ------دراصل پریشانی کی وجہ یہ نہ تھی کہ فلائٹ کینسل ہو گئی ہے بلکہ کراچی میں تمام دوست واحباب ایئر پورٹ پر انتظار کر رہے تھے۔اور پھر رات کو انہوں نے پر تکلف دعوت کا انتظام بھی کر رکھا تھا۔پھر ہالینڈ میں اپنے میزبانوں کو اپنی آمد کی اطلاع بھی فون پر دی جا چکی تھی۔ان سب انتظامات کے ہونے کے بعد میری کیفیات کا کیا عالم ہوا ہو گا---وی آئی پی لاؤنج مین منیجر نے خضر راہ کی طرح میری رہنمائی کی اور پریشانیوں کو دور کیا، کہ آپ کراچی کی بجائے اسی کراچی والے جہاز میں صبح کو اسلام آباد سے روانہ ہو سکتے ہیں۔لیکن مجھے اس کے لئے خصوصی اجازت طلب کرنی پڑے گی کیوں کہ میرا ٹکٹ کراچی سے تھا۔اور پھر اس سے فرق پڑ سکتا تھا----ساری رات انتظار کیا اور دوستوں کے ساتھ جاگ کر شب بیداری کی ---صبح کی نماز وہیں لاؤنج میں پڑھی۔پھر صبح ۵ بجے اللہ اللہ کر کے میں ہالینڈ کیلئے روانہ ہوا۔اور اندیکھی منزلوں کی طرف کمر کسی۔اور ایئر پورٹ کے تمام منازل طے کیئے۔ایف آئی اے والوں نے پاسپورٹ پر ہالینڈ کا ویزہ نہ ہونے پر حیرانی کا اظہار کیا۔اور تعجباً کہنے لگے---کہ بغیر ویزے کے آپ کہاں جا رہے ہیں۔میں نے جب ان کے معلومات میں اضافہ کیلئے بتایا کہ ہم جیسے "درویشوں اور خانہ بدوشوں" کیلئے ویزے کی ضرورت نہیں پڑتی کیونکہ

ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست۔

تو ان کی حیرت میں مزید اضافہ ہو گیا۔آخر میں نے ان کی پریشانی کو دور کیا اور بتایا کہ آفیشل پاسپورٹ پر ہالینڈ والے پاکستان میں ویزا نہیں لگاتے بلکہ وہیں ائیر پورٹ پر انٹری کی مہر لگا دیتے ہیں اور ساتھ ہی وزارت خارجہ کا لیٹر بھی دکھایا تو ان کی معلومات میں اضافہ اور میری مشکلات میں کمی ہوئی۔اور جانے کی صورت نکل آئی،میں آئی ایف اے والوں کی اس قدر "زبردست" "باخبری" پر عش عش کر اٹھا---خدا خدا

کر کے جہاز میں داخل ہوئے ----۔جہاز مسلسل نو گھنٹے فضامیں تیرتا رہا۔اور درمیان میں معلوم نہیں ہم ہوا کے دوش پر نہ جانے کہاں کہاں اور کن کن ممالک سے گذرتے رہے۔ کسی زمانے میں لوگ مہینوں، سالوں قافلوں کی صورت میں دربدر کی خاک چھانتے ہوئے منزلوں کی تلاش میں موہوم امیدوں کے سہارے زندگی کا خاصہ حصہ صرف کر ڈالتے تھے۔اور ایک ہمارا زمانہ ہے کہ گھنٹوں میں ایک براعظم سے دوسرے براعظم پہنچ سکتے ہیں۔ہمارے اس قافلہ "بے صدائے جرس" کے اکثر مسافر سو گئے تھے لیکن میں اس لذت سے بیگانہ ہی رہا۔میں فضاؤں ہواؤں اور آسمانوں کی خاموشی میں بھی مزید سکون و خاموشی کا طلب گار تھا----۔نو گھنٹے کی براہ راست پرواز نے اعصاب کو تقریباً شل کر دیا تھا۔اور نیند کے غلبہ نے طبعیت پر ناخوشگوار اثر ڈال دیا تھا۔ آخر کار جہاز کے پائیلٹ نے لینڈنگ کا مژدہ جاں فزا سنایا اور ساتھ ہی وہاں کا درجہ حرارت بھی بتا دیا کہ نیچے زمین پر درجہ حرارت سولہ سنٹی گریڈ ہے۔یہ سن کر یقین نہیں آرہا تھا کہ ہم تو پاکستان کے ۴۸ درجہ سنٹی گریڈ درجہ حرارت میں سے آرہے تھے۔اور اب یہاں پر سولہ درجہ ۔گویا نو گھنٹوں میں ہم نے موسم گرما سے موسم سرما تک کا سفر طے کر لیا تھا۔بالآخر ہم لوگ جہاز سے اترے۔اور صرف امریکہ جانے والے مسافر باقی رہ گئے۔ان کو اتنا ہی سفر مزید طے کرنا تھا۔جہاز سے ہم بذریعہ ٹیوب ایمسٹرڈیم کے بین الاقوامی ائیرپورٹ پر اترے۔ائیرپورٹ انتہائی کشادہ خوبصورت تھا۔اور ایک الیکٹرانک سٹی کا منظر پیش کر رہا تھا ہر جانب بجلی کی سیڑیاں ساتھ ہی ساتھ فرش بھی بجلی والے-- ---منٹوں میں آپ بھاری سامان سمیت کہاں سے کہاں پہنچ سکتے ہیں۔امیگریشن کے کاؤنٹر پر پہنچا تو صرف دو منٹوں میں تمام کارروائی مکمل ہوئی--اور میں اپنے ملک کے ایئرپورٹ اور وہاں کے عملے اور حکام کے رویئے کے متعلق دیر تک سوچتا رہا-----

ڈچ لوگ انتہائی خوش اخلاق، ملنسار، وضع دار اور مہمان نواز ثابت ہوئے۔میں نے ائیرپورٹ پر ہی اندازہ کر لیا کہ اس ملک کے لوگ کس قدر باسلیقہ، ہمدرد اور فرض شناس ہیں۔مغربی اقوام کی تمام برائیاں تو ہم نے جذب کر لیں لیکن ان کی خوبیوں کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔

ائیرپورٹ پر ہمارے میزبان موجود تھے۔جناب [illegible] جو ہمارے کزن ہیں، محکمہ این۔ایچ۔اے میں انجینیر ہیں اور یہیں کی نیشنلٹی رکھتے ہیں، وہاں پر اپنے چچاؤں اور رشتہ داروں سے ملنے کے لئے مجھ سے دو ہفتہ پہلے وہاں پہنچ گئے تھے، وہ اپنے چچا محترم جناب اشفاق خان لائق صاحب اور محترم منظور

صاحب کے ہمراہ میرے منتظر تھے۔
جیسے ہی میں ایئر پورٹ کے دروازے سے نکلا تو سرد ہوا کے جھونکے نے میرا استقبال کیا اور جسم میں سردی کی لہر دوڑ گئی کل تک گرمی سے برا حال تھا اور اب سردی نے ستانا شروع کر دیا۔انسان کی کیفیات اور احوال بھی عجیب ہیں ۔ کسی بھی صورت اور کسی بھی حالت میں خوش نہیں رہتا ہمیشہ تغیرات کا متلاشی رہتا ہے۔

سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں
ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں

ہالینڈ کا مختصر جائزہ

ہالینڈ یورپ کا ایک مالدار ترین ملک ہے گو رقبہ کے لحاظ سے یہ ایک انتہائی چھوٹا خطہ ہے۔یہ ملک چھوٹے چھوٹے جزائر پر مشتمل ہے۔اسے نیدرلینڈ بھی کہتے ہیں اور اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ یہ واحد ملک ہے جو سطح سمندر سے نیچے ہے۔اور سنا ہے کہ ہر سال یہ نیچے کی جانب جا رہا ہے۔ ماہرین ارضیات کے مطابق اگر یہ عمل نہ روکا گیا اور اس کیلئے حفاظتی تدابیر نہ کی گئیں۔تو یہ دنیا کے نقشے سے مٹ بھی سکتا ہے لیکن یہاں کی حکومت نے اس کیلئے بہت بڑا بجٹ مختص کیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ یہاں کے لوگ سمندر کے ساتھ پنجہ آزمائی میں مصروف ہیں۔اور سمندر کو پیچھے کی جانب دھکیل رہے ہیں۔ان لوگوں کی نظر میں ان کا سب سے بڑا دشمن سمندر ہی ہے۔اور اس کے خلاف یہ لوگ مدتوں سے مصروف جنگ ہیں ۔یورپ کے کئی شہر اسی طریقہ سے بسائے گئے ہیں مثلاً مانٹی کارلو وغیرہ وغیرہ۔ سمندر کی موجوں سے زمین چھین کر اس پر آبادیاں بسائی گئی ہیں۔اور انجینئرنگ آرکیٹیکٹنگ کی مدد سے بڑے بڑے بند باندھ کر ایک مضبوط اور مکمل منصوبہ بندی کے تحت ان طلاطم خیز سمندروں کو لگام دینے کا ناقابل یقین کارنامہ سرانجام دیا گیا ہے اور علم و حکمت اور سائنس و ٹیکنالوجی کی بدولت آج انہوں نے بحر ظلمات میں گھوڑے دوڑا دیئے۔

یہاں ہالینڈ میں سب سے قیمتی چیز زمین ہے۔قبرستانوں تک میں لوگ اپنے مردے ایک بڑی رقم بطور کرایہ ادا کرنے کے بعد ایک معین مدت تک کیلئے دفن کرواتے ہیں۔وہ مدت گذر جانے کے بعد انہیں یہ آخری آرام گاہ بھی کسی نئے مسافر کیلئے خالی کرنا پڑتی ہے۔

مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

اکثر لوگ اسی مجبوری کی بناء پر اپنے مردے دفن کرنے کی بجائے جلانا پسند کرتے ہیں
لوگوں کی اکثریت سرکاری فلیٹوں میں رہائش پذیر ہے۔اور بہت ہی صاحب ثروت لوگوں کو اپنا ذاتی
مکان نصیب ہوتا ہے۔۔یہاں کا موسم یورپ کی طرح نہایت ہی ٹھنڈا رہتا ہے اور صرف دو مہینے موسم
برائے نام گرم رہتا ہے۔بارشیں کثرت سے ہوتی ہیں۔یہ ایک زرعی ملک ہے۔اور زراعت اس ملک کا اہم
ترین پیشہ ہے۔دنیا بھر میں ان کی برآمدات کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔مثلاً پھول پودے، کیمکلز، مشہور زمانہ
وولو گاڑیاں، الیکٹرونکس کا سامان اور ہوائی جہاز وغیرہ وغیرہ۔اللہ تعالیٰ نے اس ملک کو سرسبزی
وشادابی سے خوب مالامال کیا ہے ہر طرف اور ہر جانب سبزہ ہی سبزہ نظر آتا ہے۔ہالینڈ یورپ کا حسین
وجمیل اور خوبصورت ترین ملک ہے۔اسی بناء پر لوگ اس کو "خوابوں کی سرزمین" کہتے ہیں۔پانی ہر
جانب وافر مقدار میں ہے۔جھیلیں، ندیاں اور ان پر بنی ہوئی خوب صورت پن چکیاں ایک عجیب منظر
پیش کرتی ہیں۔چھوٹے بڑے پلوں کے ذریعے سڑکوں کو ملایا گیا ہے۔ان میں بڑے بڑے پل
انجنیئرنگ کا شاہکار ہیں۔جن کو بوقت ضرورت فقط پانچ منٹ میں سمیٹ لیا جاتا ہے اور نیچے سمندری جہاز
بآسانی گذر جاتے ہیں۔میں نے خود اسکا مشاہدہ بلجیئم جاتے ہوئے راستے میں کئی دفعہ کیا۔ہمارے ہاں تو
ریلوے پھاٹک کے کھولنے اور بند کرنے میں گھنٹے گزر جاتے ہیں۔ڈیری فارم اور بہت زیادہ پھول
یہاں کا خاصہ ہیں زراعت کے ساتھ ساتھ یہ ملک صنعت میں بھی کسی یورپین ملک
سے پیچھے نہیں۔جگہ جگہ بڑے بڑے کارخانے ہیں۔اور صنعتوں کا ایک جال پھیلا ہوا ہے۔تمام دنیا میں
یہاں کے مصنوعات کی مانگ ہے۔دنیا کی عظیم اور بڑی بندرگاہ یہاں کے ایک شہر روٹاڈیم میں واقع
ہے۔۔یہاں کے لوگ انتہائی خوشحال اور "مادی" لحاظ سے بلند ترین زندگی گذار رہے ہیں۔اور دنیا کی تمام
آسائیشیں اور سہولیات ان کو میسر ہیں۔رہائش، تعلیم، صحت اور دیگر اخراجات سب حکومت برداشت
کرتی ہے۔۔یہاں کی سہولیات وطرز زندگی و ملازمت کے بہترین مواقع دیکھ کر یورپ کے دیگر ممالک ان
پر رشک کرتے ہیں اور یہاں بسنے کیلئے نقل مکانی کی کوشش کرتے ہیں جن میں انگلستان کے لوگ
پیش پیش ہیں۔

ڈچ لوگ، برٹش، فرینچ اور امریکن کی طرح متعصب نہیں۔بلکہ اجنبیوں کے ساتھ اچھا سلوک

برتتے ہیں اور ان کے ساتھ دوستانہ اور مساویانہ برتاؤ کرتے ہیں۔لوگ صحت مند اور توانا ہیں۔اور دنیا میں اس معاملہ میں مشہور ہیں انتہائی مضبوط دراز قد، وجیہ وشکیل ہوتے ہیں ۔(لم یخلق مثلہا فی البلاد۔)خوش طبع اور مذاح کے حس میں دیگر یورپین اقوام کی طرح خوب مالامال ہیں ۔اور کافی لمبی عمریں پاتے ہیں۔ملک کی آبادی ایک کروڑ چالیس لاکھ کے لگ بھگ ہے ۔جن میں مقامی لوگوں(ڈچ) کی تعداد تقریباً اسی لاکھ ہے اور باقی دیگر ممالک کے تارکین وطن ہیں۔۔یہاں پر جمہوری طرز حکومت ہے لیکن روایتی بادشاہت بھی تمام ترشان وشوکت کے ساتھ قائم ہے ۔ایک وقت تھا کہ اس چھوٹے سے جزیرے نے بھی کئی نو آبادیاتی کالونیاں قائم کی تھیں۔لیکن دیگر استعماری طاقتوں کی طرح اس کو بھی بالآخر سکڑنا پڑا۔دوسری جنگ عظیم میں ہٹلر نے اسے صرف چند گھنٹوں میں فتح کرلیا۔

دنیامین اتنے پھول کہیں پیدا نہیں ہوتے جتنا کہ ہالینڈ میں ۔میلوں لمبے کھیتوں میں پھول اگائے جاتے ہیں ۔اور روزانہ دنیا بھر کے لئے پھولوں کے تحفے اور ڈالیاں ہالینڈ والے امپورٹ کرتے ہیں۔یہ لوگ پھولوں سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں اور ہر گھر اور دفتر میں پھولوں کے گملے سجے ہوتے ہیں۔ بلکہ خود ہالینڈ بھی دست قدرت کا بنایا ہوا ایک حسین گلدستہ ہے۔۔یہاں پر ایک علاقہ ہے جو پھولوں کیوجہ سے بین الاقوامی شہرت کا حامل ہے ۔اس کو کوکنف کہتے ہیں ۔غالباً دنیا میں اس سے بڑا باغ گلستاں نہ ہوگا۔ہر سال مارچ میں یہاں پھولوں کی بین الاقوامی نمائش منعقد ہوتی ہے ۔جس کی نیرنگیاں دیکھنے کیلئے دنیا بھر سے سیاح ،رنگ وبو کے متوالے اور جمالیاتی ذوق رکھنے والے قدردان یہاں کا رخ کرتے ہیں۔ ہماری بدقسمتی تھی کہ بڑے شوق وذوق کے ساتھ اس گلستان کی رنگا رنگیوں سے محظوظ ہونے اور دل ودماغ کو معطر کرنے کیلئے بڑی مسافت طے کرکے اس علاقہ میں پہنچے تو یہ افسوسناک خبر سننے کو ملی کہ جون جولائی میں پھول مرجھا چکے تھے اورگلشن کی جمعیت پریشان ہوچکی تھی ۔ہالینڈ کی ایک اور خصوصیت یہاں کے ڈیری فارمز،ڈچ گائیں اوران کا خالص دودھ دہی اور پنیر ہیں ۔جو کہ دنیا بھر میں مقبول ہیں خصوصاً پنیر جس کو مقامی زبان میں " کاس" کہا جاتا ہے۔۔یہاں کی گائیں زیادہ مقدار میں دودھ دینے کی وجہ سے مشہور ہیں اور دنیا بھر میں ان کی نسل پھیل چکی ہے۔

چند بڑے شہر۔

ایمسٹرڈیم ۔یہاں کا دارالخلافہ ہے ۔انتہائی خوبصورت ،صاف ستھرا اورکشادہ شہر ہے ۔اس کے بیچوں بیچ دریا

بہتا ہے اور جگہ جگہ پر خوبصورت پل بنے ہوئے ہیں۔ دریا کے دونوں جانب ہوٹل، ریسٹورنٹ، دفاتر اور رہائشی فلیٹس بنے ہوئے ہیں۔ یہاں کے میوزیم بھی دیکھنے کے قابل ہیں شہر کے ہر چوک میں بڑے بڑے مجسمے بنے ہوئے ہیں۔

ایمسٹرڈیم کی سیر کرنے کیلئے اکثر لوگ لانچیں استعمال کرتے ہیں جن میں باسانی تمام شہر کی سیر کی جاسکتی ہے۔ ہر لانچ میں سیاحوں کی سہولت اور معلومات کیلئے ترجمان موجود ہوتے ہیں۔ اور ہر بڑی عمارت کے قریب سے گزرتے وقت اس عمارت کے متعلق تمام معلومات فراہم کرتے ہیں۔ ان آراستہ و پیراستہ اور دلہن کی طرح سجائی گئی کشتیوں میں سیاحوں کی سہولت کیلئے مشروبات اور مطعومات کا انتظام بھی موجود ہوتا ہے۔ جن کے چارجز کرائے میں سے کاٹ دیئے جاتے ہیں۔ ان کشتیوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جس شخص نے ان میں بیٹھ کر اس شہر کی سیر نہ کی اس نے گویا ایمسٹرڈیم نہیں دیکھا۔ ہم نے اس شہر میں پورا دن گزارا۔ یہ دنیا کے چند خوبصورت ترین شہروں میں سے ایک ہے۔

میرا قیام ہالینڈ میں صرف بارہ روز رہا۔ ان دنوں میں ہالینڈ کے مختلف شہروں میں جانا ہوا۔

(جاری ہے)
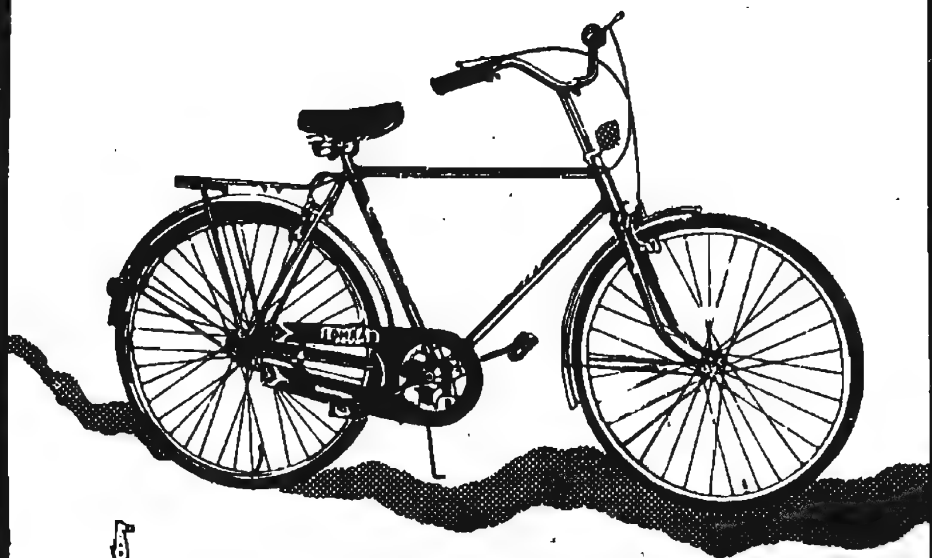
علمی دنیا کی خبریں

کلید بیت اللہ (کعبہ) حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کو پیش کی گئی

ہندوستان کے مسلمانوں کا سر اس وقت فخر سے اونچا ہوگیا جب ۶ شعبان المعظم ۱۴۱۷ھ مطابق ۱۸ دسمبر ۱۹۹۶ء کو عالم اسلام کی عظیم شخصیت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کو خانہ کعبہ میں داخل ہونے کیلئے بیت اللہ کے دروازے کی کلید (کنجی) پیش کی گئی جو اس شیبی خاندان کے پاس رہتی ہے جس سے خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کعبہ شریف میں داخل ہونا ہوتا تھا تو کلید کعبہ مانگ کر دروازہ کھولتے تھے، اور باہر آنے کے بعد دروازہ مقفل کر کے کلید اسی خاندان کو واپس کر دیا کرتے تھے۔

اطلاعات کے مطابق حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مکہ مکرمہ میں رابطہ عالم اسلامی کے تحت مساجد سے متعلق عالمی کونسل کے ہر دو سال پر منعقد ہونے والی سہ روزہ اجلاس میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ اجلاس کے آخری دن ساری دنیا سے اجلاس میں شرکت کے لئے جانے والوں کو خانہ کعبہ کے اندر داخل ہونے کی سعادت حاصل کرنے کا موقع دیا گیا۔

یاد رہے کہ گذشتہ چھ ماہ سے کعبۃ اللہ کی عمارت کی اندر سے تعمیر نو ہورہی تھی اور اس دوران کعبہ شریف کی عمارت کو سفید دیوار سے گھیر دیا گیا تھا۔ کعبہ شریف کی چھت اتار دی گئی تھی، اندر سے فرش بنیاد تک کھود دیا گیا تھا کیونکہ زمین کے اندر دیمک ہونے کا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا۔ جن سے عمارت کو نقصان پہنچ سکتا تھا۔ چنانچہ چھت اتار کر فرش بنیاد تک کھود دیا گیا تھا۔ اس کارروائی کے بعد کعبہ شریف کے نیچے دیمک سمیت جراثیم کش دوائیں اور مسالے ڈال کر اندر کے حصہ میں نیا فرش، دیواریں، اور چھت کی تعمیر کی گئی۔ باہر کا حصہ جوں کا توں رکھا گیا۔ کعبۃ اللہ کے اندر کے حصہ کی چھ ماہ تک تعمیر نو کے بعد ایک ماہ قبل باہر کی دیواروں کو جن سے عمارت کو گھیرا گیا تھا ہٹا دیا گیا۔ اندر کی عمارت کا افتتاح ہوچکا ہے۔ اور مساجد سے متعلق عالمی کونسل کے ارکان کو بھی اندر داخل ہونے کی سعادت دی گئی، اور دروازہ کھلنے کی سعادت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کو حاصل ہوئی۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کو یہ سعادت بھی حاصل ہوئی، کہ اجلاس کے افتتاحی جلسے میں مساجد کونسل کے نمائندوں کی طرف سے اجلاس کو خطاب کیا، جس میں مملکت سعودی عرب کے شاہ اور خادم الحرمین شریفین جلالۃ الملک فہد بن عبدالعزیز کا پیغام ان کے بھائی جو امیر ملک ہیں نے پڑھ کر سنایا۔ اجلاس کی صدارت عالمی کونسل برائے مساجد کے صدر اور عالم اسلام کے بے حد ممتاز شخصیت شیخ عبداللہ بن باز نے کی۔ رابطہ عالم اسلامی کے سیکرٹری جنرل ڈاکٹر صالح عبداللہ عبید نے بھی اجلاس سے خطاب کیا۔ سہ روزہ اجلاس ختم ہوا جس میں دنیا بھر کی مختلف مساجد سے متعلق معاملات پر غور و فکر کیا گیا۔ رابطہ

باقی صفحہ ۶

...ان ملکوں کی صورت حال، قابلِ فکر لیکن قابلِ اصلاح

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

دنیا میں مسلمانوں کی تعداد قابل اطمینان حد تک ہونے کے باوجود انکے ساتھ متعدد ممالک میں ایسا غیر انسانی برتاؤ کیا جارہا ہے جس کو سننا بھی تکلیف دہ ہے، اور مسلمان اپنی معتدبہ تعداد کے باوجود اس غیر انسانی برتاؤ کے ازالہ کے لئے کچھ نہیں کرپارہے ہیں یا یہ کہنا چاہیے کہ کچھ زیادہ توجہ نہیں کررہے ہیں۔ مسلمانوں کی طرف سے کچھ کرنے یا کرسکنے کے لیے تعداد، طاقت اور سیاسی اثرات کے علاوہ اور بھی دیگر وسائل ہیں وہ ان کو صحیح طور پر اختیار نہیں کررہے ہیں۔ دراصل کچھ کرسکنے کے لیے اقلیت و اکثریت کے پیمانے کے علاوہ اخلاقی و دینی پیمانوں کی بڑی اہمیت ہے اور ہم مسلمان ایک عرصہ سے ان پیمانوں کو اختیار کرنے اور ان کو کام میں لانے سے سخت بے توجہی برتنے لگے ہیں یہی وجہ ہے کہ کسی زمانہ میں اقلیت کے باوجود کامیابیوں کی طرف بڑھتے تھے اور اب تعداد میں بہتر ہونے کے باوجود پیچھے ہٹتے اور گرتے جارہے ہیں۔

متحدہ اقوام میں مسلمانوں کے ووٹوں کی تعدا 1/4 ہے وہ غیر معمولی طور پر اثر انداز ہوسکتے ہیں، پھر ان کے ملکوں کے پاس ایسے وسائل ہیں، جن کی حاجت ساری دنیا کو ہوتی ہے اخلاقی اور سیاسی دباؤ ڈالنے کے بھی اچھے ذرائع ہیں لیکن پھر بھی ان سے فائدہ اٹھانے کی طرف توجہ نہیں کی جارہی ہے، صرف کچھ بیانات اور کسی حد تک مالی امداد پر اکتفاء کی جارہی ہے، اس کی بڑی وجہ وہ اخلاقی اور دینی کمزوری ہے جو اس وقت دنیا کے مسلمانوں میں سرایت کرچکی ہے، خود غرضی، دنیا کی محبت، دنیاوی کروفر اور دنیاوی جاہ و منزلت سے مرعوبیت عام طور پر پھیل چکی ہے۔ یورپ کی عظمت کا احساس دلوں میں گھر کئے ہوئے ہے۔ بھائی سے زیادہ اس شخص سے تعلق ہے جس سے مادی منفعت اور جاہ و عزت کا حصول ہو، ایسے میں دشمن کے مقابلہ میں اگر تعداد زیادہ ہو تو بھی کامیابی اور اثر پذیری مشکل ہے چہ جائیکہ دشمن کے مقابلہ میں تعداد بھی کم ہو۔

مسلمانوں کی تاریخ میں تعداد کی اہمیت کبھی نہیں رہی، اخلاقیات دینی غیرت اور معنوی طاقت کو اولیت رہی اور ان کی فتح و شکست میں یہی عامل سب سے بڑا عامل رہا ہے اور جب جب یہ عامل کمزور ہوا ان کو کمزوری لاحق ہوئی اس کے نتیجہ میں مسلمانوں نے کئی جگہ عزت، حکومت دونوں کھودی۔ اسپین میں اندلس کی حکومت کا کھونا تعداد یا فوجی وسائل کی کمی کی وجہ سے نہیں پیش آیا، وہاں آپس کے تفرقہ اور بھائی بھائی کی لڑائی چھوٹی چھوٹی ٹولیوں اور ریاستوں میں بٹ جانے، پھر آپس کی ریشہ دوانیوں اور ایک دوسرے کے خلاف سازشیں کرنے اور اس میں دشمنوں تک سے مدد لینے سے یہ واقعہ پیش آیا اور پھر مصیبت آنے پر ------ طاقتور اور بااثر بھائیوں کی طرف سے بے توجہی اختیار

کرنے نے مزید اثر ڈالا۔

اندلس کی شاندار تاریخ کے عہد کا ایک فقرہ اس سلسلے میں آب زر سے لکھنے کا ہے کہ جب ایک موقع پر اندلس کی مسلمان حکومت کو اپنے پڑوسی عیسائی دشمن کے مقابلہ میں سخت دشواری ہوئی تو اس کو مراکش کی مسلمان حکومت سے مدد لینے کا خیال ہوا، مشیروں نے کہا کہ کہیں وہ مدد کرنے کے بعد قابض نہ ہوجائے، اس پر مسلمان سربراہ حکومت نے آب زر سے لکھنے کے قابل یہ فقرہ کہا کہ "عیسائیوں کے زیر اقتدار آجانے سے ہمارے بچے ان کے سور چرانے پر مجبور ہوں۔ اس سے کہیں بہتر ہے کہ مسلمانوں کے زیر اقتدار آجانے پر ہمارے بچے ان کے اونٹ چرائیں۔۔۔۔" چنانچہ مراکش کے مسلمانو سے مدد لی اور کامیابی ملی، اور اندلس کی شاندار تاریخ جاری رہی۔ لیکن پھر اس کے آخری حکمراں عبداللہ الاحمر پر ختم ہوئی جو اپنی برادر حکومتوں سے لڑتے رہے اور آخر میں اپنے حریف بھائی کے مقابلے کے لیے عیسائی حکمراں سے مدد لی اور اس نے مدد کرنے کے بعد عبداللہ الاحمر کو ملک سے دست بردار ہوجانے پر مجبور کیا اور اسی پر اندلس سے مسلمانوں کی ۸ صدی کی حکومت ختم ہوئی۔ اور عبداللہ الاحمر نے روتے ہوئے ملک چھوڑا۔ اس پر ان کی والدہ نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ مملکت جس کو تم مردوں کی طرح بچا نہ سکے اب اس پر عورتوں کی طرح روتے کیوں ہو؟

اصل چیز غیرت وفکر ہے جس سے عزت وذلت کے پیمانوں کو صحیح طور پر سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہوجاتی ہے پھر آدمی اپنے ذاتی اور گروہی مفادات کو اپنی ملی اخلاقی اور دینی آبرو کے بچانے کے لیے قربان کرسکتا ہے۔ اس وقت دنیا میں مسلمانوں کے حالات میں عجیب وغریب تضاد ہے۔ مسلمانوں کے ملکوں کی ایک تعداد خوشحالی اور مالی صلاحیتوں سے بھر پور ہے۔ کچھ ملکوں میں آپسی کشمکش کا دور دورہ ہے اور بعض ملکوں میں بیرونی طاقتوں کی طرف سے کشت وخون کا بازار گرم ہے۔

یہ حالات دراصل ان کی آپسی لڑائی کی وجہ سے بھی ہیں، کہیں خود اسلام کی حفاظت کے لیے سخت کشمکش اور جدوجہد بلکہ قربانیوں سے گزرنا پڑرہا ہے اور اسلامی تشخص کے لیے شدید جدوجہد کرنا پڑرہی ہے لیکن جو کمزوری ہر جگہ مشترک ہے وہ ذاتی اور گروہی خود غرضی اتحاد واتفاق کے بارے میں کوتاہی گروہ بندیوں اور آپس کی کشمکش میں اپنی خاصی طاقتوں کا ضیاع ہے اس کی وجہ سے دشمن کو کامیابی کی راہ ملتی ہے اور مقابلہ کی طاقت کمزور ہوتی ہے اور مظلوموں کی دادرسی نہیں ہوپاتی ہے۔

بقیہ صـ ۶۷

عالمی اسلامی کے تحت مساجد سے متعلق یہ عالمی کونسل ... حاصل ہے۔ اجلاس کے بعد تمام مندوبین کی کعبہ شریف کی عمارت کے اندر ... اجازت حاصل کرنے کا موقع دیتے وقت دروازے کا تالا کھولنے کیلئے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کو دعوت دی گئی اور اس مخصوص شیبی خاندان کے کلید بردار نے حضرت مولانا مدظلہ کو کلید پیش کی۔

مؤتمر المصنفین دار العلوم حقانیہ کی ایک اور پیش کش

وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ الآیۃ

انوارِ حق

جلد اوّل

جامعہ دار العلوم حقانیہ کے نائب مہتمم استاذ حدیث و تفسیر حضرت مولانا انوار الحق حقانی صاحب کے خطبات اور مواعظ جمعہ کا حسین گلدستہ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ کے خطبات کی ایک جھلک "اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ" کا ایک نمونہ علوم و معارف کا خزینہ مختلف موضوعات پر علمی و دینی اور روح پرور تقاریر کا دلچسپ مرقع "ہر چہ از دل خیزد بر دل ریزد" کا صحیح مصداق، سلاست اور جامعیت میں اپنی مثال آپ ہے، خطباء، واعظین، مبلغین اور اصلاحی حلقوں میں یکساں مفید ہے

(زیر طبع)

مرتبین

- حافظ فضل اللہ جان سواتی
- حافظ سلمان الحق حقانی

مؤتمر المصنفین دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ

"ہنود و یہود کے عزائم اور پاکستان کی سالمیت"

محمد یونس میؤ لیکچرار اسلامیات

اگر ہمیں واقعی وطن عزیز سے محبت ہے اور ہم اس کی حفاظت کا عزم صمیم رکھتے ہیں تو پھر تاریخ کی یہ حقیقت کبھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ جن قوموں نے تقسیم ہند کی مخالفت کی تھی اور جنہوں نے دو قومی نظریہ کو ایک جھوٹ کہا تھا۔ جن کے خیال میں پاکستان کا بننا ایک غلطی تھی ان قوموں نے آج تک اس کے وجود کو تسلیم نہیں کیا اور وہ جائز و ناجائز حربوں سے اس کو کمزور کرنے کی سازشیں کیں ہیں۔ کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ یہ بد گمانی نہیں ہے بلکہ یقین ہے اور یہ یقین ہمیں قرآن سے حاصل ہوتا ہے انہیں قوموں (ہنود، یہود اور نصاریٰ) کی اندرونی سازشوں کی وجہ سے ہمیں پاکستان کے ایک بڑے حصے سے ہاتھ دھونا پڑے اور ہمارے حکمران کف افسوس ملنے کے سوا کچھ نہ کر سکے۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا

کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا (اقبال)

ہم نے چار و ناچار تقدیر کے بہانے اس تلخ حقیقت کو قبول تو کر لیا لیکن اس سانحہ (سقوط ڈھاکہ) سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا۔ یہی کیا ہم نے تو سقوط صقیلہ، سقوط اندلس، غرناطہ اور سقوط بغداد وغیرہ تک کو درخور اعتنا نہیں سمجھا۔ اسے کاش اتنی ریزہ ریزہ گنوا کر ہی ہم نے سوچا ہوتا کہ اب ہمارے دشمن کے عزائم اور اہداف کیا ہیں؟

کاش ہم نے کبھی پنڈت جواہر لال نہرو کے اس بیان کا مطلب سمجھنے کی کوشش کی ہوتی کہ "ہمارا منصوبہ یہ ہے کہ ہم اس وقت جناح کو پاکستان بنا لینے دیں اس کے بعد معاشی طور پر یا دوسرے ذرائع سے ایسے حالات پیدا کر دئیے جائیں جن سے مجبور ہو کر مسلمان گھٹنوں کے بل جھک جائیں اور ہم سے التجا کریں کہ ہمیں پھر سے ہندوستان میں شامل کر لیں۔

راجندر پرشاد نے کہا تھا "آزادی تو ہم نے حاصل کر لی۔ لیکن یہ اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک ہندوستان کو متحد نہ کر دیا جائے" گاندھی جی کا خیال سنیے "ہم اور مسلماں ایک دوسرے پر منحصر ہیں۔ ہم ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ایک وقت آئیگا کہ مسلمان خود ہندوستان میں شامل ہونے کیلئے کہیں گے اور جواہر لال ان کو واپس بلا لیں گے"۔ شیام مکرجی کا نصب العین ملاحظہ ہو۔ "ہمارا نصب العین یہ ہے کہ پاکستان کو پھر سے ہندوستان کا حصہ بنا لیا جائے خواہ یہ معاشی دباؤ سے ہو یا سیاسی دباؤ سے یا اس کیلئے دیگر ذرائع استعمال کرنا پڑیں"۔ راجہ مہندر پرتاب نے حکومت ہند 1950ء کو مشورہ دیا۔ "جب تک پاکستان کا وجود ختم نہیں ہو جاتا ہمارا ملک کوئی ترقی نہیں کر سکتا۔ حالات اس طرح بدل رہے ہیں کہ ہندوستان اور پاکستان میں جنگ ناگزیر ہو گئی ہے۔ بنابریں میں حکومت ہند کو مشورہ دونگا کہ وہ افغانستان کو ملا کر پاکستان کو ختم

کر دے"۔ پختونستان کا نعرہ، بنگلہ دیش کے بعد اب سندھو دیش کی بات اور اس کے جوازات پیدا کرنا۔ پاکستان میں مذہبی فسادات، نسلی وارداتیں دم توڑتی ہوئی معاشیات، زوال پذیر اخلاقیات اور کشمیر وافغانستان میں بھارتی مداخلت دراصل انہیں بھارتی لیڈروں کے ملفوظات کی عملی صورتیں ہیں ہمیں ایک متعصب، تنگ ذہن اور کم ظرف دشمن کے بارے میں کبھی خوش فہمی اور غلط فہمی نہیں رہی۔ لیکن جنہیں ہم روشن خیال ترقی یافتہ، تہذیب وتمدن کے علمبردار، امن عالم کے ٹھیکیدار اور اپنے دوست بہی خواہ خیال کرتے آئے ہیں وہ پاکستان کی سالمیت کے بارے کیا کہتے ہیں۔ قانون آزادی ہند کا مسودہ قانون پارلیمنٹ میں پیش کرتے وقت برطانوی وزیراعظم نے کہا تھا۔ "ہندوستان تقسیم ہورہا ہے۔ لیکن مجھے پوری امید ہے کہ یہ تقسیم زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکے گی اور دونوں مملکتیں جنہیں ہم آج الگ کر رہے ہیں ایک دن پھر مل کر ایک ہو جائیں گیں"۔

امریکہ کے بارے ابھی تک کچھ لوگ خوش فہمیوں میں مبتلا ہیں۔ شاید ان نادان دوستوں کو یہ معلوم نہیں ہے کہ امریکہ نے دو قومی نظریہ کی مخالفت کی تھی اور متحدہ ہندوستان کی حمایت کی۔ تقسیم ہند کے بعد سے آج تک ہندوؤں کے مفادات کا تحفظ کرتا رہا ہے اور اپنے سادہ دل دوستوں کو غلط ہوں کے سوا کچھ نہ دیا۔ 14 اپریل 1947ء کو امریکہ کے سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے انڈر سکریٹری ڈین ایچی سن نے لندن میں امریکی سفارتخانے کو بھجوائے جانے والے پیغام میں کہا تھا کہ "ہم نے ماضی میں بھی یہ چاہا ہے کہ حکومت برطانیہ متحدہ ہندوستان میں اقتدار مقامی نمائندوں کو منتقل کر دے کیونکہ اس خطے میں ہمارے سیاسی اور اقتصادی مفادات صرف اسی صورت میں برقرار رہ سکتے ہیں کہ ہندوستان تقسیم نہ ہو"

ایک معروف امریکی چیسٹر باولز نے لکھا ہے کہ "یہ حساب تو بڑا مضحکہ خیز ہے کہ ۸ کروڑ (جو اب تقریباً 14 کروڑ ہیں) پاکستانیوں کی امداد کے لیے 37 کروڑ (جو اب 90 کروڑ کے قریب ہیں) بھارتی باشندوں کو ناراض کیا جائے پھر پاکستانی بھی ایسے جو دو حصوں میں بٹے ہوئے ہیں اور ان کے درمیان ایک ہزار میل کا بھارتی علاقہ حائل ہے"۔

دنیا بھر کے ہنود اور یہود اسلام دشمنی کی بنیاد پر متحد ہو چکے ہیں۔ 1948ء میں فلسطین کے بڑے حصے پر یہودی ریاست (اسرائیل) قائم ہوئی اور 19 سال بعد 1967 کی جنگ کے بعد باقی ماندہ فلسطین اور جزیرہ نمائے سینا پر بھی قبضہ کرلیا۔ لیکن اسرائیل اور امریکہ کیا چاہتے ہیں؟ مسجد اقصیٰ کی جگہ ہیکل سلیمانی کی تعمیر اور "میراث کے ملک" پر قبضہ۔ ہیکل سلیمانی کی تعمیر اسرائیل کو قدرت حاصل ہے۔ صرف امریکہ کے اشارے کی دیر ہے۔ رہی بات میراث کی اسرائیل کی پارلیمنٹ کی عمارت کی پیشانی پر یہ الفاظ کندہ ہیں کہ "اے اسرائیل تری حدیں نیل سے فرات تک ہیں" اس کا مطلب ہے دریائے نیل تک مصر، پورا اردن، پورا شام، پورا لبنان، عراق کا بڑا حصہ، ترکی کا جنوبی علاقہ اور جگر تھام کر سنئے کہ مدینہ منورہ تک حجاز کے پورے بالائی علاقے پر قبضہ کرنا ہے۔ ان عزائم کے پس منظر میں امریکہ وغیرہ کا بار بار عربوں کے معاملات میں مداخلت اور خلیج میں مسلسل موجود رہنا ذو معنی امر ہے۔ ماضی کے واقعات اور مشاہدات اس بات کی تصدیق کر چکے ہیں

کہ ہنود، یہود اور نصاریٰ دنیا کے کسی خطے سے متعلق ہوں پاکستان، اسلام اور مسلمانوں کی جان ومال اور عزت و آبرو کے دشمن ہیں۔ ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ یہود تمہاری جان اور نصاریٰ تمہارے ایمان کے دشمن ہیں۔ چنانچہ کافر چھوٹا ہو یا بڑا، اقتدار میں ہو یا اقتدار سے باہر، پارلیمنٹ کا رکن ہو یا کسی سیاسی و اقتصادی تنظیم کا ممبر، کالا ہو یا گورا، اس کا تعلق امریکہ سے ہو یا اسرائیل سے، وہ ہندوستان کا باسی ہو یا انگلستان کا شہری اہل اسلام کا دشمن ہے۔ اس کا نمونہ ہم پاک بھارت جنگوں میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں۔ قرآن نے ہمیں بہت پہلے خبردار کیا تھا۔

"اے ایمان والو۔ اپنے سوا کسی (کفار) کو اپنا محرم راز نہ بناؤ وہ کافر تمہیں تباہ کرنے میں کوئی کمی نہیں کرتے۔ تمہاری مضرت کی تمنا رکھتے ہیں جو بغض ان کے منہ سے ظاہر ہوتا ہے اور جو وہ اپنے دلوں میں چھپائے رکھتے ہیں بہت زیادہ ہے۔ ہم نے تمہارے سامنے نشانیاں واضح کر دی ہیں اگر تم عقل رکھتے ہو"
(آل عمران - 118)

قرآن ہمیں یہی نہیں بتاتا کہ وہ تمہارے دشمن ہیں بلکہ یہ خبر بھی دیتا ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں "اے ایمان والو۔ یہود و نصاریٰ کو دوست مت بناؤ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں"۔ (المائدہ - 5)

یہ لوگ آج بھی مصروف عمل ہیں امریکہ اور اس کے اتحادی عرب ممالک میں اپنے قدم جما چکے ہیں، الجزائر وغیرہ میں اسلام کو سیاست سے بے دخل کر دیا گیا ہے۔ عراق نے بارہا عالم اسلام کو مایوس کیا ہے۔ ترکی پر ابھی تک سیکولرازم غالب ہے۔ لے دے کر اب صرف پاکستان ایک ایسا ملک رہ جاتا ہے جس سے امت مسلمہ کے عوام اپنی امیدیں وابستہ کیے ہوئے ہیں۔ اسی قوم (پاکستانی) کے نعرہ تکبیر سے مندروں کے بت سجدہ ریز ہونگے اور بلندو بانگ صلیبیں سرنگوں ہونگی اور مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کا خواب شرمندہ تعبیر ہو گا (انشاء اللہ) یہ حقیقت اغیار بھی جانتے ہیں۔ کہ پاکستان اسلام کا قلعہ بن سکتا ہے اور اگر خدا نخواستہ اس کی سالمیت کو کچھ نقصان ہوا تو وہ دوسرے الفاظ میں اسلام ہی کا نقصان ہو گا اس لیے یہ کہنا بے جانہ ہو گا کہ پاکستان کی نظریاتی و جغرافیائی حدود کی حفاظت کرنا دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرنا ہے۔ یہ 14 کروڑ انسانوں کی زندگی اور موت کا مسئلہ ہی نہیں بلکہ یہ اس دین کی ناموس کا مسئلہ بھی ہے جس کیلئے بدر، حنین اور قادسیہ کی جنگیں لڑی گئیں۔ جس کیلئے کربلا کی سرزمین شہیدوں کے خون سے لالہ زار ہوئی، جس کیلئے ستمبر 65 اور 1971ء کی جرات خیز اور عبرت آموز معرکے لڑنے گئے۔ بدر سے حنین تک اور 1947ء سے 1965ء تک کے تمام شہداء اسلام کی قربانیوں کا تقاضا ہے کہ ہم ایک بار پھر اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کریں۔ اور سندھی، بلوچی، پنجابی، افغانی، مقامی اور مہاجر کی نسلی گرفت سے نکل کر صرف سچے مسلمان اور پکے پاکستانی کی حیثیت سے جینا سیکھیں۔ صرف اور صرف یہی ایک طریقہ ہے جس پر عمل پیرا ہو کہ ہم اسلام اور پاکستان کے قدیم و جدید دشمنوں کے عزائم کو خاک میں ملا سکتے ہیں۔ (انشاء اللہ)

دانت دُرست "تن" دُرست
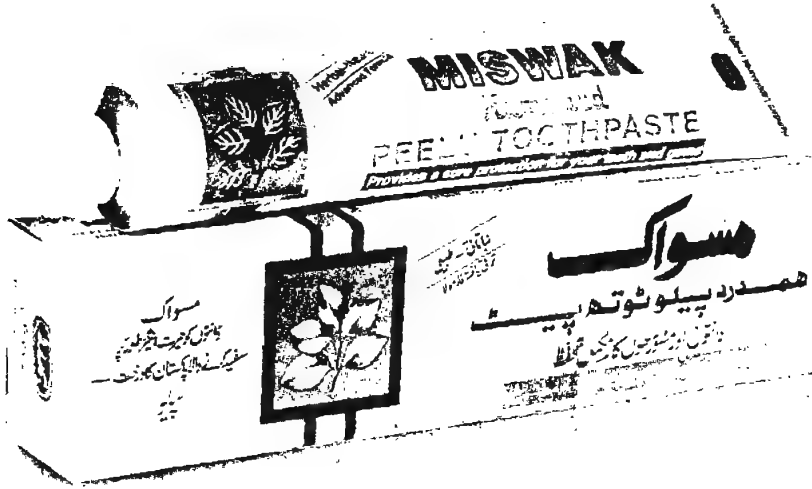
دانتوں کی صفائی اور مسوڑھوں کی صحّت کے لیے انتہائی موثّر نباتاتی

مسواک ہمدرد پیلو ٹوتھ پیسٹ

اچھی صحت کا دار و مدار صحت مند دانتوں پر ہے۔ اگر دانت خراب ہوں یا عدم توجہی کے باعث گر جائیں تو انسان دُنیا کی بہت سی نعمتوں اور لذتوں سے لُطف اندوز نہیں ہو سکتا۔ زمانۂ قدیم سے صحتِ دندان کے لیے انسان درختوں کی شاخیں بطور مسواک استعمال کرتا آیا ہے۔ ہمدرد نے تحقیق و تجربات کے بعد دار چینی، لونگ، الائچی اور صحتِ دہن کے لیے دیگر مفید نباتات کے اضافے کے ساتھ "مسواک ٹوتھ پیسٹ" تیار کیا ہے جو دانتوں کو صاف اور سفید رکھنے کے ساتھ مسوڑھوں کو بھی مضبوط، صحت مند اور محفوظ رکھتا ہے۔

سارے گھر کا ٹوتھ پیسٹ

مسواک ہمدرد پیلو ٹوتھ پیسٹ

مسواک کے قدرتی خواص صحتِ دنداں کی مضبوط اساس

ہمدرد
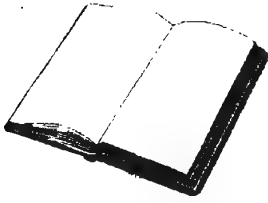
کتابوں پر تبصرہ

مولانا راشدالحق سمیع

نوٹ :- تبصرے کیلئے دو کتابوں کا آنا ضروی ہے

نام کتاب:- **بیس مردان حق**

تالیف ــ مولانا عبد الرشید ارشد

قیمت:-(مکمل دو جلد) سات سو پچاس روپے

صفحات:- دو ہزار

ملنے کا پتہ ـ کتب خانہ رشیدیہ دارالعلوم تعلیم القرآن راجہ بازار راولپنڈی

اکابرین امت کے حالات اور سوانح نگاری میں جب بھی کسی کا نام لیا جائے گا تو جناب مولانا عبد الرشید ارشد صاحب کا نام سرفہرست ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے بڑا کام لیا ہے خصوصا اکابرین کی سوانح نگاری اور ان کے حالات وکمالات ،دارالعلوم دیوبند نمبر، نعت نمبر ،بیس بڑے مسلمان وغیرہ آپ کی شاہکار کتابیں ہیں۔ نا مساعد حالات کے باوود آپ نے ماشاء اللہ یہ سلسلہ جاری رکھا ہواہے بیس بڑے مسلمان کو اندرون اور بیرون ملک .جو مقبولیت حاصل ہوئی وہ کم ہی کتابوں کو حاصل ہوئی ہوگی۔اور اب تو یہ حوالہ کی کتاب سمجھی جاتی ہے۔اسی طرز پر اب آپ نے .جو بیس مردان حق کے نام سے جوکتاب مرتب کی ہے۔یہ گویا اسی کتاب کا دوسرا حصہ ہے۔یہ کتاب دو جلدوں میں چھپی ہے۔کتاب کی ترتیب نہایت عمدہ ہے۔کتاب میں جن اکابرین کا تذکرہ ہے ان کا تعلق ماضی قریب سے ہے۔ فاضل مولف کا کمال یہ ہے کہ آپ نے ان عظیم شخصیات کا تذکرہ بھی کیا ہے جو اب تک گوشۂ خمول میں پڑی ہوئی تھیں۔ان جلیل القدر ہستیوں پر مختلف اصحاب نے قلم اٹھایا تھا آپ نے ان مضامین کو یکجا کر دیا اور ایک ضخیم کتاب تیار کرلی۔اس کتاب کو علمی حلقوں میں کافی سراہا گیا ہے اور اس کے متعلق مختلف حلقوں

میں تعارفی پروگرام بھی منعقد ہو چکے ہیں۔اس کتاب میں جن نامور شخصیات کے متعلق مضامین موجود ہیں ان کے اسماء یہ ہیں مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ،مولانا خیر محمد جالندھریؒ، مولاناسید محمد علی مونگیریؒ،مولانا محمد علی جالندھریؒ،مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ،مولانا محمد شفیع دیوبندیؒ،خلیفہ غلام محمد دینپوریؒ،مولاناسید محمد یوسف بنوریؒ،مولانا ابو سعد احمد خانؒ ،مولانا مفتی محمودؒ مولانا عبداللہ سلیمپوریؒ،مولانا غلام اللہ خانؒ،مولانا حبیب الرحمن لدھانویؒ،مولانا غلام غوث ہزارویؒ،مولانا محمد یوسف دہلویؒ،مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ،مولانا اسعد محمد بدر عالم میرٹھیؒ،مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ، مولانا عبدالرحمن کاملپوریؒ،مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹکؒ۔

امید کی جاسکتی ہے کہ آپ کے قلم سے مستقبل میں مزید اس قسم کے شاہکار منصہ شہود پر نمودار ہونگے۔اور آپ کا جاری کردہ یہ سلسلہ انشاء اللہ ابھی مزید چلے گا۔کتاب کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتاہے کے اس کے دوسرے ایڈیشن کی تیاریاں ہورہی ہیں

نام کتاب۔ وہ کوہ کن کی بات

تالیف:۔ مولانا نور عالم خلیل امینی صاحب۔

مدیر الداعی واستاادب عربی دارالعلوم دیوبند

صفحات:۔۱۷۴

ملنے کا پتہ:۔ ادارہ علم وادب یوپی (انڈیا)

دارالعلوم دیوبند کے ہر ایک فاضل کو اللہ تعالیٰ نےوہ وہ خصوصیات ودیعت فرمائی ہیں ،کہ وہ مستقل تصنیف اورتذکرے کے متقاضی ہیں۔ان ہی نابغہ روزگارہستیوں میں ایک شخصیت حضرت مولاناوحید الزمان صاحب قدس سرہ ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند کی ہے۔

آپکے نامور اہل قلم اور برصغیر کے مشہور ادیب تلمیذ رشید مولانا نور عالم خلیل امینی مدیر الداعی(عربی)دارالعلوم دیوبند نے آپ کی وفات کے بعد ایک انوکھے انداز میں آپ کی خصوصیات تحریر فرمائی ہیں۔ جن میں آپ کی شخصیت ،علمی مقام طرز تدریس ، انوکھا

انداز نظامت اور آپکی شخصیت کے دیگر زاویوں کا احاطہ کیا گیا ہے۔

موصوف نے یہ کتاب ایک غالی عقیدت مند یا بحیثیت ایک شاگرد نہیں لکھی ہے جس میں بے جا غلو سے کام لیا گیا ہو۔ بلکہ آپکی شخصیت کی حقیقی اور واقعاتی تصویر کشی اس میں کی گئی ہے۔ کتاب کے نام سے کتاب کی اہمیت اور اچھوتے پن کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ کوہ کن کی بات میں انتہائی اختصار کے ساتھ آپکی بھرپور شخصیت کی عکاسی گویا ئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ آپ نے انتہائی سادہ انداز میں مولانا کی تمام زندگی ن کی شخصیت کی ہمہ جہت پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے۔ یہ کتاب ہر مدرسہ ہر طالب علم اور ہر منتظم اور لائبریری کیلئے ضروری ہے۔ بلکہ نصاب کا ایک حصہ بنانے کے قابل ہے۔ بقول حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ (دارالعلوم حقانیہ کے تمام اساتذہ کو چاہیئے کہ اس کتاب کا بلااستیعاب مطالعہ کریں) کتاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں بیسیوں فضلاء اور ابناء دارالعلوم کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ آپ کا طرز نگارش انتہائی خوبصورت ہے اشعار کا بر محل وبر موقع استعمال، نکتہ آفرینی وادبی نکات کی چاشنی نے کتاب کی ثقاہت میں چار چاند لگادیئے ہیں۔ کتاب اتنی معلوماتی اور اتنی دلچسپ ہے کہ ایک ہی نشست میں پڑھنے لینے کو جی چاہتا ہے۔ ہمارے پاس چونکہ اس کا پہلا ایڈیشن ہے، اور مصنف نے اپنے گراں قدر خط میں کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں ایک گراں قدر مقدمے کا تذکرہ کیا ہے۔ الغرض کتاب ہر لحاظ سے قابل مطالعہ ہے۔

ایک یادگار اور موثر دعا

نواب مولانا حبیب الرحمن خان شیروانی رحمۃ اللہ علیہ رئیس بھیکم پور اور صدرالصدور حیدر آباد عازم حج ہیں۔ سفر سے پہلے اپنے شیخ حضرت فضل الرحمن گنج مراد آبادی کی خانقاہ میں حاضری دیتے ہیں۔ حضرت گنج مراد آبادی کے جانشین شاہ نیاز احمد کی خدمت میں دعا کی درخواست کرتے ہیں۔ اپنی نفیس شیروانی کے ساتھ شاہ صاحب کے قریب چبوترے پر بیٹھ جاتے ہیں اور شاہ صاحب ہاتھ اٹھا کر اس طرح دعا کرتے ہیں :-

بارالہا ! یہ حبیب الرحمن خاں شیروانی تیرا ایک بندہ ناچیز ہے۔

بارالہا ! جب اس پر ناگزیر وقت آجائے سانس اکھڑ رہی ہو تو اس کی امداد فرمائی جائے

بارالہا ! جب کفن پہنا کر اس کے تابوت کو لے چلیں، تو اپنی رحمت کا سایہ اس پر ڈال اور گور کے خلوت خانہ میں حبیب الرحمن کو لوگ رکھ کر واپس آجائیں اور غریب وہاں تنہا رہ جائے تو اپنی رحمت اپنے کرم سے روشنی پیدا فرما قوت بخش کہ نکیرین کے سوال وجواب میں بے چارہ ثابت قدم رہے۔

بارالہا ! جب حشر کا میدان قائم ہو، اور بڑے چھوٹے پتنگوں کی طرح ادھر ادھر مارے پھرتے ہوں تو اس وقت بچارے حبیب الرحمن بھیکم پور والے کی دستگیری فرما۔ اس کے گناہوں کو بخش دے اور بجائے جہنم کے اس کو تیرے فرشتے جنت کی طرف لے جائیں۔ (تعمیر حیات :- از صدر یار جنگ)

***

افکار و تاثرات

مولانا نور عالم خلیل امینی (دیوبند۔انڈیا)
مولانا جسٹس محمد تقی عثمانی (کراچی)
مولانا عثمان جہانگیر (برما)

برادر مکرم مولانا راشد الحق سمیع زید لطفہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔امید ہے کہ آپ مع اہل خاندان ہرطرح سے خیریت سے ہونگے۔عنایت نامہ مورخہ ۲۶۔نومبر ۱۹۹۶ء خاصی تاخیر سے چند روز قبل موصول ہوا۔وہ کوہ کن کی بات، کے حوالے سے مسرت بخش تاثرات پڑھنے کو ملے۔حسن ظن کے لئے میں شکرگزار ہوں۔خدائے پاک آپ کے پاکیزہ تاثرات کو حقیقت بنادے۔آمین۔میں نے،جیسا کہ یاد آتا ہے صرف دو حضرات کو کتاب کا ایک ایک نسخہ برائے تبصرہ بھیجا تھا۔ایک آپ کے والد بزرگوار کو (خدائے پاک ان کا سایہ ہم لوگوں کے سروں پر تا دیر قائیم رکھے) دوسرے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ کو۔آپ کے ہاں سے بالواسطہ وصول یابی کی رسید مل تو گئی،لیکن مولانا مدظلہ کے ہاں سے اب تک کوئی اطلاع نہ ملی کہ کتاب ان کو ہم دست ہوئی ہے کہ نہیں۔بہر صورت یہ معلوم نہ ہوسکا کہ آپ کے رسالے یا البلاغ میں اس پر کوئی تبصرہ شائع ہوسکا یا نہیں۔اگر ہوا ہو تو براہ کرم رجسٹرڈ ڈاک سے ایک نسخہ آپ ضرور بھجوادیں۔نیز قاضی اطہر صاحب پر شائع شدہ مضمون والا شمارہ بھی عنایت فرمادیں رجسٹرڈ ڈاک سے ہی کہ سادہ ڈاک یہاں ہر گز موصول نہیں ہوتی۔نیز اردو پتے والی ڈاک بھی ضایع ہوجاتی ہے۔اس کا خیال ضرور رکھا جائے۔آپ کا گراں قدر رسالہ ہمیں تو کبھی بھی نہیں ملتا جب کہ ہمیں امید ہے کہ ضرور ارسال کرتے ہونگے۔ویسے آپ پتے کی فہرست چیک کرلیں کہ انگریزی میں پتہ لکھا ہوا ہے یا نہیں؟۔

نیز یہ بتا دیجئے کہ آپ کو "وہ کوہ کن کی بات" کا پہلا ایڈیشن ملا ہے یا دوسرا۔؟ کیونکہ دوسرے ایڈیشن میں ایک طویل ادبی اور ظریفانہ مقدمے کا اضافہ ہے۔جو پہلے ایڈیشن میں نہیں ہے۔کتاب کا پہلا ایڈیشن صرف ۲۸ روز میں ختم ہو گیا تھا۔اور یہ دوسرا ایڈیشن بھی سال گذشتہ ہی ختم ہوچکا، تیسرا ایک مصلحت کی وجہ سے معرض التواء میں ہے۔

امید ہے کہ آپ کا یہ خط میرے آپ کے درمیان بلکہ ادارے کے ساتھ رسمی ارتباط باہم کا ذریعہ ثابت ہوگا۔گوکہ قلبی ارتباط آپ کو نہ سہی مجھے تو شروع سے ہے کہ "الحق" رسالہ پاکستان کا پہلا رسالہ تھا جس سے میں دارالعلوم میں اپنے زمانہ طالب علمی میں دارالعلوم کے کتب خانے میں مطالعہ کے دوران واقف ہوا تھا۔

والد صاحب مدظلہ کو میرا سلام خلوص پہنچادیجئے اور اپنے تمام متعلقین واساتذہ واہل خاندان کو سلام کہیئے۔خدائے پاک رمضان کی مبارک ساعتوں کو ہم سبھوں کے لئے باعث برکت بنائے۔

والسلام

اخو کم نور عالم امینی

مدیر الداعی واستاذ ادب عربی دارالعلوم دیوبند یو پی انڈیا

۷۶۷

عزیزم مولوی راشد الحق صاحب سلمہ اللہ تعالی
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
میں سفر سے واپس آیا تو ڈاک میں آپ کی دستار بندی کا دعوت نامہ موصول ہوا۔اس خبر سے بہت خوشی ہوئی کہ الحمدللہ آپ نے فراغت حاصل کرلی ہے۔میں سفروں کی وجہ سے اس تقریب میں شرکت سے معذور رہا،لیکن دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالی آپ کو علم نافع،عمل صالح کی دولت سے مالامال فرمائیں۔اور اپنے باپ دادا کا نام روشن کرنے کی توفیق بخشیں۔آمین۔میری طرف سے اپنے والد گرامی کو بھی دلی مبارکباد پہنچادیں۔اور یہ مصرعہ بھی کہ
بیاد آر حلیفان باد پیمارا

والسلام
محمد تقی عثمانی

عزیزم مکرم مولانا حافظ راشد الحق صاحب دام اقبالکم
السلام علیکم
امید ہے مزاج بخیر ہوگا۔الحمدللہ میں بھی خیریت سے ہوں۔ماہنامہ الحق کئی سالوں سے ہمارے محترم حاجی ایوب صاحب کے توسط سے براہ راست دفتر سے ہمارے پتہ پر آجاتا ھے۔اللہ تعالیٰ ہی جزائے خیر عطا فرمائے۔

تحریک طالبان کے سلسلے میں جمادی الاول وثانی کے الحق میں جو مضامین آئے اس سے دل خوش ہوگیا۔بہت سی غلط افواہوں کی تصحیح ہوگئی،دل سے ہمارے مربی ومرحوم شیخ عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ آپ کے والد محترم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ اور آپ کے لئے دعا نکلی۔
کریم مالک طالبان بھائیوں کی بھرپور امداد فرمائے اور پوری دنیا میں حق کا بول بالا ہونے کا ذریعہ بنادے۔
ہمارے یہاں الحق کا ایک رسالہ آتا ہے اور سب پڑھنا چاہتے ہیں۔اس کے لئے ان دو مہینوں کے الحق کی کئی فوٹو کاپیاں ان مضامین کی ہوئیں۔لوگ بڑے شوق سے پڑھتے ہیں اور اس انتظار میں کہ نیا الحق کب آئے؟
دلی دعا ہے کہ اس رسالہ کو مزید شرف قبولیت سے نوازے اور اس کا فیض عام ہو۔اپنی دعا میں بندہ کو بھی شامل فرمالیں احسان ہوگا۔

بشرط سہولت والد محترم اور مولانا عبدالقیوم صاحب مدظلہ کو میری طرف سے سلام عرض کریں۔

والسلام
طالب دعا۔عثمان جہانگیر
خادم مدرسہ نورالاسلام۔رنگون برما

مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ	مولانا خیر محمد جالندھریؒ
مولانا سید محمد علی مونگیریؒ	مولانا محمد علی جالندھریؒ
مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ	مولانا محمد شفیع دیوبندیؒ
خلیفہ غلام محمد دین پوریؒ	مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ
مولانا ابوالسعد احمد خانؒ	مولانا مفتی محمودؒ
مولانا محمد عبداللہ سلیم پوریؒ	مولانا غلام اللہ خانؒ
مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ	مولانا غلام غوث ہزارویؒ
مولانا محمد یوسف دہلویؒ	مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ
مولانا سید محمد بدرِ عالم میرٹھیؒ	مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ
مولانا عبدالرحمٰن کاملپوریؒ	مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹکؒ

ترتیب

عبدالرشید ارشد

پہلی جلد صفحات ۱۰۲۸

دوسری جلد صفحات ۱۰۵۶

قیمت -/۷۵۰ روپے

مکتبۂ رشیدیہ 25 لوئر مال لاہور

Regd.no.P90Monthly. AL HAQ Akora Khatak